ع ۶۰۱۵
المامون
۶۰۱۶
سوانح عمری فیضی

مکمّل

المامون

یعنی سوانح عمری خلیفہ مامون الرشید اعظم رح

یعنی سوانح عمری

مع دیباچہ

از حضرت سر سیّد احمد خاں مرحوم و فہرست مضامین

مؤلفہ

جناب شمس العلما، علّامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام سید ظہور الحسن، قومی پریس، دھلی، چھتہ لال میاں

حسب فرمائش حافظ سید ابوالحسن پرسنل اسسٹنٹ انجنیر

[illegible] ھ میں چھپوا کر شائع کی

فہرست مضامین المامون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت
بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے اُن کاموں کو جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بھلادے یا اُنکو نہ جانے
بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد رکھنا اچھا اور بُرا دونوں طرح کا پھل دیتا ہے ۔ اگر خود کچھ نہوں
اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگونکے کاموں پر شیخی کیا کریں تو استخوان جدفروش کے سوا کچھ نہیں اور اگر
اپنے میں ویسا ہونے کا چسکا ہو تو وہ امرت ہے مگر ہم وہ کریں یا یہ کریں ۔ یہ تو پچھلی بات ہے ۔ پہلے ہم کو یہ
دیکھنا ہے کہ وہ دلچسپ حالات اور پُرفخر واقعات ہمکو ملیں کہاں سے ۔ ہماری تاریخیں اُس زمانہ کی لکھی ہوئی
ہیں جس زمانہ نے تاریخ نویسی کے فن کو پوری طرح پر ترقی نہیں دی تھی ۔ اس لئے ہمارے بزرگوں کے
کامونکے گوہر آبدار کہیں بکھرے پڑے ہوئے ہیں اور کہیں کوڑے کرکٹ میں رلے ہوئے ہیں ۔
ایک نہایت لائق شخص کا کام ہے جو اُنکو چُنے اور لڑی میں پرو کر سجائے ؛

ہمکو نہایت خوشی ہے کہ ہمارے دوست مخدوم اور ہمارے مدرستہ العلوم کے پروفیسر مولانا
مولوی محمد شبلی نعمانی نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے اور ایک سلسلہ ہیروز آف اسلام کا لکھنا چاہا
ہے ۔ اُسی سلسلہ میں کی ایک یہ کتاب ہے جو المامون کے نام سے موسوم ہے اُنھوں نے خلفائے
بنی عباس میں سے مامون الرشید بن ہارون الرشید کو عباسی خلفاء کا ہیرو قرار دیا اور اُسکے
تمام کارنامے اچھے یا بُرے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے اُس میں لکھے ہیں ۔

تاریخانہ واقعات لکھنے چنداں مشکل نہ تھے ۔ مگر وہ باتیں جنکے لکھنے کا اُس زمانہ کے مورخوں کو بہت کم
خیال تھا ۔ یا اُن کی قدر نہیں کرتے تھے اور اس زمانہ میں انھیں کی تلاش اور انھیں کی قدر ...
کی جاتی ہے تلاش کرنی مشکل تھی ۔ مولانا نے اسمیں پوری یا جہانتک ممکن تھی کامیابی حاصل کی ہے پہلے حصہ میں
اُنھوں نے تاریخانہ واقعات لکھے ہیں اور نہایت خوبی اور اختصار سے دکھایا ہے کہ خلافت کا سلسلہ کیونکر اور
کیوں خاندان بنی امیہ کو برباد کرکے عباسی خاندان میں پہنچا اور کیا اسباب جمع ہوئے جس سے امین مامون
کا بھائی محروم اور مقتول اور خود مامون تمام مملکت اسلامی کا مالک الملک لاشریک لہ بن گیا ۔

جابجا واقعات دلچسپ سے بھی اس حصہ کو آراستہ کیا ہے ۔ جسکے سبب سے یہ سوکھا اور پھیکا
تاریخانہ حصہ نہایت دلچسپ ہو گیا ہے ؛ دوسرے حصہ میں انتظام سلطنت آمدنی مملکت ۔ فوجی انتظام ۔ عدالت اور
اُسکی جزئیات کو جہاں جہاں سے ملیں چُن چُن کر ایک جگہ جمع کیا ہے اور مامون کی خصلتیں اور اسکی سوشل حالت اُسکی

بھرا ہوا ہے کہ اس سے اُسکو اور اُس سے اسکو رونق ہوتی ہے ۔ اس حصہ میں لطائف و ظرافت کے ساتھ علمی و خصوصاً علم ادب کے ساتھ ایسے ایسے نکتے مذکور ہیں جو ادیب کے لئے سرمایۂ ادب و ظریف کیلئے سرمایۂ ظرافت ہیں ۔

اسقدر جزئیات کو تلاش کرنا اور نظم اسلوب سے ایک جگہ جمع کرنا کچھ آسان کام نہ تھا مصنف نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس کا حوالہ معتبر ماخذ سے نہ دیا ہو ۔ ہر ایک جزوی بات پر بھی اُس کتاب کا جس سے وہ بات لیگئی ہے حوالہ دیا ہے ۔ اسکے حاشیوں پر جسقدر کتابوں کے حوالے ہیں انکو دیکھکر اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے میں کسقدر جانکاہی ہوئی ہوگی اور مصنف کو کتنے ہزاروں ورق تاریخوں کے اُلٹنے پڑے ہونگے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ مصنف نے جزئیات کو ایسی کتابوں سے تلاش کر کے نکالا ہے جنکی نسبت خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ انمیں مامون کے حالات ہونگے تو اس محنت کی وقعت اور قدر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے ۔

یہ کتاب اُردو زبان میں لکھی گئی ہے اور ایسی صاف اور شستہ اور برجستہ عبارت ہے کہ دلی والونکو بھی سیر رشک آتا ہوگا اُردو زبان نے بہت ترقی کی ہے مگر اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر فن کیلئے زبان کا طرز بیان جداگانہ ہے ۔ تاریخ کی کتابوں میں ناول (قصہ) اور ناول میں تاریخانہ طرز گو کیسی ہی فصاحت اور بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کرتا ہے ۔

لارڈ مکالی جو انگریزی زبان کا بے نظیر ادیب ہے اسکے تاریخانہ الیس سے باعتبار فصاحت و بلاغت کے اپنا نظیر نہیں رکھتے ۔ مگر الیشائی اور شاعرانہ طرز ادا سے تاریخانہ اصلیت کو بہت کچھ نقصان پہنچانے والے ہیں ۔ ہمارے لائق مصنف نے اس کا بہت کچھ خیال رکھا ہے اور باوجود تاریخانہ مضمون ہونے کے ایسی خوبی سے اسکو ادا کیا ہے کہ عبارت بھی فصیح اور دلچسپ ہے اور تاریخانہ اصلیت بدستور اپنی اصلی صورت پر موجود ہے ۔ جو خوبصورت ہے خوبصورت ہے ۔ جو بھونڈی ہے بھونڈی ہے ۔ نہ خوبصورتی کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور نہ بھونڈے پن کو زیادہ بھونڈا اور درحقیقت یہی کمال تاریخ نویسی ہے ۔

اس کتاب کا حق تصنیف مصنف نے اپنی فیاضی اور قومی ہمدردی سے مدرسۃ العلوم علی گڈھ کو عطا کیا ہے ۔

پہلا اڈیشن اس کتاب کا اسی سال میں کمیٹی مدرسۃ العلوم نے کمیٹی کے فائدے کیلئے چھاپا اور سب فروخت کیا گیا ۔ اور لوگونکی طلب باقی رہی ۔ میں نے کمیٹی کی طرف سے اُس کے فائدے کے لئے دوسرا اڈیشن نکالنے کا ارادہ کیا اور اسی کے لئے یہ دیباچہ لکھا ۔

مگر مجھ کو مصنف کا دوبارہ شکر ادا کرنا پڑا کہ اُنھوں نے مہربانی سے پہلے اڈیشن پر نظر ثانی کی اور بعض نہایت مفید اور ضروری مضامین اُس میں اضافہ کئے اور حکمائے عہد مامون میں بالتخصیص نہایت مفید اضافہ کیا ۔ مجکو امید ہے کہ یہ اڈیشن پہلے اڈیشن سے بھی زیادہ مرغوب طبع ہوگا ۔

سید احمد خان

رائل ہیروز آف اسلام

یعنے

نامور فرمانروایان اسلام

کا

پہلا اور دوسرا حصّہ

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں۔ تمہید
ترتیب۔ خلافت۔ مامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت
ولیعہدی تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں
دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی
حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے
نیز اُن تمام کارناموں کی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون الرشید کا عہد عموماً
شاہان عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانہ کے انقلاب سے مسلمانوں کی قومی خاصیتیں گو بہت کچھ بدل گئیں اور بدلتی جاتی ہیں تاہم اپنی
قومی تاریخ کیساتھ جو دلچسپی اور شغف اُنکو پہلے تھا۔ اب بھی ہے۔ جسطرح قومی روایتوں کے محفوظ رکھنے میں
وہ ہمیشہ نام آور رہے ہیں۔ آج بھی گذشتہ تاریخ کی طرف اُن کو وہ جوش التفات ہے کہ اس سے زیادہ نہیں
ہو سکتا۔ فرق ہے تو یہ ہے کہ اب سے سو برس پہلے جو زبانیں ہماری ملکی اور قومی تھیں انمیں زمانہ کے
امتداد اور اسلامی حوصلہ مندیوں نے قومی تاریخ کے بے انتہا ذخیرے مہیا کر دیئے تھے جس کا یہ اثر
تھا کہ افسانوں کی طرح یہ روایتیں عام لوگوں میں پھیل گئی تھیں اور قصہ طلب حوالے اس کثرت سے
اُن زبانوں میں داخل ہو گئے تھے کہ ہمارے لٹریچر کا ہر جملہ گویا قومی تاریخ کا ایک مختصر سا متن تھا لیکن آج جو
زبان (اردو) ہماری ضرورتوں کی کفیل ہے اس کے خزانہ میں قومی تاریخ کا جس قدر سرمایہ ہے ضرورت
سے بہت کم ہے۔ ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں اور مغلیہ اور تیموریہ کے کارنامے بڑی آب و تاب
سے دکھائے گئے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی مجموعی تاریخ بھی ہماری قومی تاریخ کا ایک بہت
چھوٹا حصہ ہے۔ اسلام کو تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں اسکی فتوحات کہاں
کہاں پہونچیں۔ کس کس کو اُس نے تاج و تخت دیا کتنی سلطنتیں قائم کیں کبھی بنو امیہ کو عروج ہوا
کبھی عباسیہ کا ستارہ چمکا۔ آج دیلم نے تاج حکومت سر پر رکھا کل سلجوقی کا علم اقبال بلند ہوا۔
کبھی ایوبیہ نے روم و شام کے دفتر اُلٹ دیئے۔ کبھی ملتمین اُٹھے اور یورپ کو پامال کر آئے۔ اگرچہ یہ خاندان
مختلف ملک اور مختلف نسل سے تھے۔ لیکن اسلامی اتحاد نے ان سب کو ایک قوم کہہ کر پکارا۔ اور انہیں کے رزم
بزم کے کارنامے ہماری قومی تاریخ بن گئے جس کو اردو زبان میں ہم ڈھونڈھنا چاہیں تو کہاں ڈھونڈھیں؟
اُردو زبان کی یہ کم مائگی کچھ محل تعجب بھی نہیں۔ اُردو اگرچہ دیکھتے دیکھتے ترقی کے بہت زینے طے کر گئی
اور قریب ہے کہ وہ ایک علمی زبان کے رتبہ تک پہونچ جائے لیکن علماء کا گروہ جو عربی زبان اور عربی تصنیفات
کا مالک تھا اور اس وجہ سے تاریخی ذخیرے بھی گویا خاص اسی کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ اسکی طرف مطلقاً
ملتفت نہ ہوا تصنیف و تالیف تو ایک طرف ہمارے علماء اس زبان میں خط و کتابت کرنا بھی عار سمجھا کئے۔
حقیقت یہ ہے کہ اردو کچھ اس تیزی سے بڑھی کہ بہت سے لوگ اور خصوصاً سادہ مزاج گروہ اسکی رفتار ترقی کا
اندازہ بھی نہ کر سکا جو نکتہ تو اُسوقت جب وہ (اردو) ملک کی انشا پردازی اور عام تصنیفات پر پورے قبضہ کے
ساتھ قابض ہو چکی تھی اور میرا تو خیال ہے کہ ان میں بہت سے ابتک وہی صحرائے عرب اور بہارستان فارس کا
خواب دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نسلیں جنھوں نے حال کی آب و ہوا میں پرورش پائی۔ البتہ اُردو کا حق سمجھتے ہیں اور
انکی دلی خواہش ہے کہ اپنی ملکی زبان کو ترقی کے اعلیٰ رتبہ پر پہنچائیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ملک میں اُردو
انشا پردازی کا ایک عام جوش پھیل گیا ہے اور ہر طرف سے نئی تصنیفات کی صدائیں آ رہی ہیں۔ لیکن

مجبور انہ پر زور ایجاد پسند طبیعتیں جو کسی طرح بجلی نہیں بیٹھ سکتی تھیں تذکروں اور ناولوں پر جھکیں جس سے اتنا ضرور ہوا کہ اُردو کی وسعت کا ایک قدم اور آگے بڑھا۔ لیکن افسوس اور عبرت کی جگہ ہے کہ زبان عربی اور فارسی کو ہٹا کر ہماری علمی اور قومی زبان بنی وہ اسی خاصہ سے محروم رہی جو قائم مقامی کی حیثیت سے اس کا ذاتی حق تھا یہی ایک چیز ہے جو قومی فیلنگ اور قومی جوش کو زندہ رکھ سکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو قوم قوم نہیں ہے

انہیں خیالات کی بنا پر ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اسلامی حکومتوں کی ایک نہایت مفصل اور بسیط تاریخ لکھوں لیکن مشکل یہ تھی کہ نہ میں تمام خاندانوں کا استقصار کر سکتا تھا نہ کسی خاص سلسلہ کے انتخاب کی مجکو کوئی وجہ مرجح ملتی تھی آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ رائل ہیروز آف اسلام (یعنی نامور فرمانروائے اسلام) کا ایک سلسلہ لکھوں جسکا طریقہ یہ ہو کہ اسلام میں آجتک خلافت و سلطنت کے جتنے سلسلے قائم ہوئے انمیں سے صرف وہ نامور انتخاب کر لئے جائیں جو اپنے طبقہ میں عظمت حکومت کے اعتبار سے ہمسر نہ رکھتے تھے اور انکے حالات اس ترتیب اور جامعیت سے لکھے جائیں کہ تاریخ کے ساتھ لائف کا مذاق بھی موجود ہو جن خاندانوں کو میں نے اس غرض کے لئے انتخاب کیا ہے اُنکے نام یہ ہیں :۔

خاندان یا سلسلہ	ہیرو یعنی وہ نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب سے ممتاز	خاندان یا سلسلہ	ہیرو یعنی وہ نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب سے ممتاز
خلفائے راشدین	حضرت عمرؓ خلیفہ دوم	سلجوقیہ	ملک شاہ
بنو امیہ	ولید بن عبد الملک	نوریہ	نور الدین محمود زنگی
عباسیہ	مامون الرشید	ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
بنو امیہ اندلس	عبد الرحمن ناصر	موحدین اندلس	یعقوب بن یوسف
بنو حمدان	سیف الدولہ	ترکان احرار	سلیمان اعظم

ان خاندانوں کے سوا اور بھی بہت سے اسلامی خاندان ہیں جو تاج و تخت کے مالک ہوئے مگر میں نے ان کو دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق مثلاً غزنویہ (مغلیہ تیموریہ) تو اس وقت ہماری زبان میں متعدد تصنیفیں موجود ہیں بعض ایسے ہیں کہ شان حکومت یا وسعت سلطنت کے اعتبار سے اُن کو یہ رتبہ حاصل نہیں ہوا کہ ہیروز کے معزز دربار میں ان کے لئے جگہ خالی کیجاوے ؂

یہ حصہ جو میں قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں مامون الرشید عباسی کی تاریخ ہے اور اسی مناسبت سے اسکا نام المامون ہے اس بات کا مجھے بھی افسوس ہے کہ چند مجبوریوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں ترتیب کی پابندی نہ کر سکا اور خلفائے راشدین و بنو امیہ کو چھوڑ کر پہلے اس خاندان کو لیا جو ترتیباً تیسرے نمبر پر تھا آئندہ بھی شاید میں ترتیب کی پابندی نکر سکوں لیکن یہ قطعی ارادہ ہے کہ اگر زمانہ نے مساعدت اور عمر نے وفا کی تو اس سلسلے کے کل حصے جسطرح ہو سکیگا پورے کر دونگا۔ مامون الرشید کے تاریخی حالات کے متعلق عربی میں جسقدر مشہور اور مستند تاریخیں ہیں خوش قسمتی سے اکثر اس حصہ کی ترتیب کے وقت میرے استعمال میں ہیں

ہماری قدیم تصنیفات ہمارے مقصد کے لئے بالکل کافی نہیں۔

تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری[1]۔ مروج الذہب[2] مسعودی۔ کامل ابن الاثیر جزری۔ ابن خلدون۔ ابو الفداء۔ دول الاسلام ذہبی۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ عیون والحدائق۔ اخبار الدول قرمانی۔ تاریخ ابن واضح کاتب عباسی فتوح البلدان۔ بلاذری۔ معارف ابن قتیبہ۔ اعلام الاعلام۔ النجوم الزاہرہ۔ یہ وہ مبسوط اور مستند تاریخیں ہیں جو اسلامی تاریخوں میں ممتاز خیال کیجاتی ہیں اور دولت عباسیہ یا خاص مامون الرشید کے حالات سے آگاہی کا ذریعہ اُن سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے لیکن ان تمام تاریخوں کو پڑھکر اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ فلاں عہد میں طریق تمدن اور طرز معاشرت کیا تھا۔ حکومت اور فصل مقدمات کے کیا آئین تھے۔ خراج ملک کیا تھا۔ فوجی قوت کسقدر تھی۔ ملکی عہدے کیا کیا تھے تو ان باتوں میں سے ایک کا پتہ لگنا بھی مشکل ہوگا۔ خود فرمانروائے وقت کے طور و طریقے اور عام اخلاق و عادات کا اندازہ کرنا چاہو تو وہ جزئی حالات اور مفید تفصیلیں نہ ملیں گی جن سے اسکی اخلاقی تصویر ایک بار آنکھوں کے سامنے پھر جائے جن واقعات کو بہت بڑھا کر لکھا ہے اور ہزاروں صفحے اسکی نذر کر دیئے ہیں۔ وہ صرف تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی۔ اندرونی بغاوتیں۔ عمال کے عزل و نصب کے حالات ہیں۔ یہ واقعات بھی کچھ ایسے عامیانہ طریقے پر جمع کر دیئے ہیں کہ نہ اُنکے اسباب و علل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا ہے نہ اُن سے کسی قسم کے تاریخی نتیجے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

مثلاً اِسی مامون الرشید کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں اُنکے متعلق جس تاریخ کو اُٹھالو نہایت تفصیلی حالات ملیں گے۔ لیکن اگر یہ تحقیق کرنا چاہو کہ کس قسم کے اندرونی واقعات نے اِن بغاوتوں کو پیدا کیا تھا اور اُن کے نشو و نما کی وہ ابتدائی اور تدریجی رفتار جس پر عوام تو کیا خواص کی نگاہیں بھی نہ اُٹھیں کب شروع ہو چکی تھی۔ تو یہ تاریخی دفتر بہت کم مدد دینگے اور تم کو تمام تر اپنے اجتہاد سے کام لینا پڑیگا تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات کے سلسلے میں بندھا ہے انھیں رشتہ دوانیوں کا پتہ لگانا اور اُن سے فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ تاریخی نتائج کا مستنبط کرنا۔ یہی چیز ہے جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے اور یورپ کو اس فن کے متعلق جس اختراع و ایجاد پر زیادہ تر ناز ہے وہ اسی طلسم کی پردہ کشائی ہے۔ اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اگلے مصنفوں کی کوشش پر نکتہ چینی کروں اُن لوگوں نے جو کچھ کیا موجودہ اور آیندہ نسلیں ہمیشہ اسکی ممنون رہینگی لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے کون کہہ سکتا ہے کہ ترقی کی جو حد کل مقرر ہو چکی تھی آج بھی قائم رہیگی۔

اس کے علاوہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر زمانہ کا مذاق مختلف ہے جن باتوں کو قدما نے اس خیال سے نظرانداز کر دیا کہ یہ جزئی اور عام معمولی باتیں تصنیف کی متانت کے شایان نہیں۔ آج انہیں کی تلاش ہے۔ اس عہد کی عام معاشرت اور طرز زندگی کا اُن سے اندازہ کیا جائے۔ اسی ضرورت سے میں نے اس کتاب

---

[1] یہ نہایت مستند اور ضخیم تاریخ ہے ابن اثیر و ابن خلدون و ابو الفداء کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ سترہ جلدیں بمقام لیڈن نہایت اہتمام سے چھاپی گئی اور ہنوز ناتمام ہے [2] تاریخ کامل مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر چھپی ہے اور نہایت مشہور اور مفید تاریخ ہے

ولیعہدی-تخت نشینی-خانہ جنگیاں-بغاوتیں-فتوحات ملکی-وفات-

دوسرے حصہ میں ان مراتب کی تفصیل ہے جیسے مامون کے پولٹیکل انتظامات اور سوشیل حالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے اگرچہ اس خاص حصہ کی ترتیب کے وقت واقعات کی تلاش و جستجو میں خاص تاریخی تصنیفات کا پابند نہ تھا-تراجم طبقات-مقامی جغرافیے-سفرنامے-نقشہ جات-غرض جہاں سے جو بات ملی اخذ کی تاہم اس بات کی سخت احتیاط کی کہ جو کچھ لکھا جائے نہایت صحیح اور مستند تاریخی روایتوں سے لکھا جائے۔

(ناظرین اس موقع پر حصہ دوم جہاں سے شروع ہوا ہے اس کی تمہید بھی ملاحظہ فرماویں)

مامون الرشید کی اصلی تاریخ شروع کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم مختصر طور پر دولت عباسیہ کے قیام کے ابتدائی حالات لکھیں-عام مورخوں نے عباسیہ کے ظہور اقبال اور بنو امیہ کے زوال کا زمانہ قریبًا ساتھ ساتھ خیال کیا ہے اور ان مشہور واقعات سے بھی جو شہرت عام کی روشنی میں چمکتے ہیں یہی گمان ہوتا ہے کہ عباسیوں کو اپنی رقیب سلطنت کی بربادی میں بہت کم عرصہ لگا لیکن تاریخی اصول کے لحاظ سے کسی طرح خیال میں نہیں آسکتا کہ ایک ایسی پُر زور سلطنت ایسے فوری صدمہ سے زیروزبر ہو جائے-یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں کہ جب خلافت کے دعوے میں ہمیشہ پیغمبر صلعم کا قرب زیادہ موثر سمجھا جاتا تھا تو عباسیہ اور سادات کے ہوتے بنو امیہ کیونکر اس منصب پر قابض ہو گئے-ان باتوں کے سمجھانے کیلئے ہم خلافت کے اجمالی سلسلہ کو اس ترتیب سے لکھتے ہیں جس سے وہ تمام عقدے خود بخود حل ہو جاویں جو ان خلافتوں کی پولٹیکل حیثیتوں کے متعلق تاریخی فلسفہ کے راز ہیں-

خلافت کا اجمالی سلسلہ بنی ہاشم و بنی امیہ کی حریفانہ رقابتیں
بنو امیہ کی سلطنت-ہاشمیوں کی کوششیں دولت عباسیہ کا آغاز

آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز قریش کا قبیلہ تھا لیکن قریش کے بھی دو برابر حصے ہو گئے تھے-ہاشم امیہ اور (جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے صاف تصریح کر دی ہے) جمعیت و ملکی اقتدار میں بنو امیہ کا پلہ بنو ہاشم سے بھاری تھا البتہ آنحضرت صلعم کے وجود مبارک سے بنو ہاشم فخر اور اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے-آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو گو فوری طور پر صدیق اکبرؓ پر اتفاق عام ہو گیا لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے ادعا پر رکے رہے اور ان کو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس دونوں ہوئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے نئے سر سے پیش ہوتے لیکن حضرت عمرؓ کی باضابطہ ولیعہدی نے اسکا موقع نہ دیا حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب چھ شخصوں کو چنا جن کی نسبت انکا خیال تھا کہ وہ انکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے حضرت علیؓ بھی انتخاب شدہ لوگوں میں شامل تھے اور گو حضرت

آپ اپنے استحقاق کا فیصلہ کرلیں لیکن جناب امیرؑ کی بے غرضی اور فیاضی دلی نے اس اختلاف انگیز
تحریک کے قبول کرنے کی اجازت نہ دی اور جب عبدالرحمن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنیکے
لئے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علیؓ نے "صبر جمیل" کہا اور تن بہ تقدیر
راضی ہوگئے حضرت عثمانؓ خاندان بنو امیہ سے تھے اور انکی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی حضرت ابوبکرؓ
و عمرؓ نہ ہاشمی تھے نہ اموی اسلیئے انکے عہد تک بنو امیہ و ہاشم یہ دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے:
حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنو امیہ کے ہاتھوں میں دیدیئے امیر معاویہ
پہلے بھی شام کے گورنر تھے لیکن اس عہد میں ان کا اقتدار اس حد تک پہونچ گیا کہ شام کے فرمانروائے مستقل سمجھے جاتے
تھے حضرت عثمانؓ کی خلافت قریبًا بارہ برس رہی - اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ اُن سے ناراض ہوئے
اور انکی شہادت تک نوبت پہونچی لیکن اس وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی و مالی دونوں حیثیت سے نہایت
طاقتور ہوگیا جس کا یہ اثر تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں امیر معاویہ نے ہمسری کا دعویٰ کیا اور اگرچہ
ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں اُن کو حضرت علیؓ سے کچھ نسبت نہ تھی - تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ
طاقت کے ساتھ جناب امیر کے حریف رہے اور جنگ کا جو اخیر فیصلہ ہوا وہ بھی گویا انھیں کے حق میں ہوا -
اب اسلام میں ہاشمی و اموی دو طاقتیں حریف مقابل بنکر قائم ہوئیں اور انکی باہمی معرکہ آرائیوں کی
مسلسل تاریخ شروع ہوگئی - امام حسن علیہ السلام نے گو مصلحتًا خلافت سے ہاتھ اُٹھا لیا اور بظاہر امیر معاویہ
کی حکومت بیداغ رہ گئی لیکن اسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعان علی نے حضرت امام حسین کو خلیفہ کرنا چاہا اور جب
اُنھوں نے انکار کیا تو اُنکے علاتی بھائی محمد بن حنفیہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی اور اکثر شہروں میں نقیب
مقرر کئے - حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوہرانا نہیں چاہتے - افسوس ہے کہ اس
عبرت انگیز حادثہ نے خاندان نبوت کی زندہ یادگاریں مٹادیں اور ایک مدت کے لئے یہ توقع جاتی رہی
کہ اس مقدس گھر سے خلافت کی صدا بلند ہو - یزید کے مرنے کے بعد محمد بن حنفیہ کا گروہ شاید اپنے مخفی راز
سے پردہ اُٹھا دیتا لیکن ہاشمیوں ہی میں عبداللہ بن زبیر دوسرے دعویدار ہوگئے - اور اپنی مشہور شجاعت و
اولوالعزمی سے حجاز و اطراف عرب میں مستقل حکومت قائم کرلی - اس زمانہ میں بنو امیہ میں سے مروان بن حکم
نے جو حضرت عثمان کا چچازاد بھائی تھا اور انکا میر منشی رہ چکا تھا ۶۵ھ میں شام و مصر پر قبضہ کرلیا اور وہ گو
خود کچھ بہت کامیاب نہیں ہوا لیکن اُسکے بیٹے عبدالملک نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اس عظیم الشان
سلطنت کی بنیاد ڈالی جو دولت بنی امیہ کے مہیب لقب سے مشہور ہے - عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں
قلعہ بند ہوکر شہید ہوئے اور تمام دنیائے اسلام باستثنائے عبدالملک کے قبضہ اقتدار میں آگئی - یہ حکومت
جس کو اموی کی بہ نسبت مروانی کہنا زیادہ موزوں ہے قریبًا ۶۸ برس تک قائم رہی اور اسی قلیل مدت
میں دس شخص تخت نشین خلافت ہوئے اس خاندان میں عبدالملک و ولید و سلیمان و ہشام نہایت عظمت

سندھ و کابل و ایران و ترکستان و عرب و شام و ایشیائے کوچک و اسپین اور تمام افریقہ اسمیں داخل تھا۔
باایں ہمہ بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے اور مختلف وقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلہ کو اٹھے
اگرچہ ولید و ہشام کے پُرزور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرے سے بچالیا لیکن بنیاد حکومت میں کسیقدر تنزل
پیدا ہو گیا اور جب اس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اُٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھچر بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔ اس وقت
تک خلافت کی کوششیں صرف سادات اور علویین کی طرف سے ہوتی رہیں عباسی خاندان ابتک بظاہر ایک
گمنامی کی حالت میں تھا۔ علویین میں سے عبداللہ جو محمد بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علیؓ کے پوتے تھے
اپنے پیروؤں کی ایک تعداد کثیر رکھتے تھے۔ اور خراسان و ایران میں جابجا اُنکے خفیہ نقیب مقرر تھے سنہ ۱۰۰ھ
میں اُنکو زہر دیا گیا اور چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ سادات میں اس وقت کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا
اسلیئے وہ محمد بن علی کو کہ جو حضرت عباسؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار) کے پرپوتے تھے اپنا جانشین
کر گئے۔ اسیطرح علویین کی مجتمعہ قوت عباسی خاندان کی طرف منتقل ہو گئی۔ گویا پہلا دن تھا کہ دولت عباسیہ کی
بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ آل عباس کے نقبا تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے اور سنہ ۱۰۲ھ و سنہ ۱۰۹ھ و سنہ ۱۱۸ھ میں اُنکی
طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں۔ بعض اوقات حکام بنی امیہ پر یہ سازش کھل گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جن
لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ اس اثنا میں کبھی کبھی علویین نے بھی علم خلافت بلند کیا مثلاً
سنہ ۱۲۱ھ میں زید بن علی و سنہ ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھائے اور میدان جنگ میں داد
شجاعت دیکر مارے گئے۔ یہ لڑائیاں ان دعویداروں کو تو کچھ مفید نہ ہوئیں مگر عباسیوں نے اُس سے یہ فائدہ اٹھایا
کہ اُنکے حریف بنی امیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہونچے سنہ ۱۲۶ھ میں محمد بن علی کا انتقال ہو گیا اور اُنکے
بیٹے ابراہیم باپ کے جانشین ہوئے سنہ ۱۲۷ھ میں ابراہیم کو ابو مسلم خراسانی ایک عجیب و غریب شخص ہاتھ آیا جس نے اپنے
حسن تدبیر اور زور بازو سے اس کام کو انجام تک پہونچادیا اور بانی دولت عباسیہ کے لقب سے مشہور ہوا اپنی
طرف سے سینکڑوں نقیب مقرر کیے اور تمام اطراف میں بھیجے۔ طرفداران عباس کے لیئے سیاہ لباس اور ایک سیاہ
جھنڈی بطور نشان کے مقرر کی۔ اِن نقیبوں نے خراسان کے تمام اضلاع میں خفیہ سازشوں کے جال پھیلائے اور
ایک خاص دن ٹھہر گیا کہ اس تاریخ کو ہواخواہان عباس جہاں ہوں دفعتاً اُٹھ کھڑے ہوں۔ رمضان کی ۲۵ تاریخ
سنہ ۱۲۹ھ شب پنجشنبہ سفیدنج ایک گاؤں میں جو ہرات کے نواح میں ہے ابو مسلم نے خلافت عباسیہ کی عام منادی کر دی
اور ابراہیم کے بھیجے ہوئے علموں پر جن کا نام ظل و سحاب تھا سیاہ پھریرے آویزاں کیئے ہر طرف سے لوگ جوق
جوق آتے تھے اور ظل و سحاب کے نیچے جمع ہوتے جاتے تھے۔ ابو مسلم نہایت کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کرتا ہوا
خراسان کی طرف بڑھا اور عمال بنی اُمیہ کو پے در پے شکستیں دیں۔ اس زمانہ میں بنی امیہ کا اخیر فرمانروا مروان الحمار
تخت نشین حکومت تھا خراسان کے گورنر نے اُسکو نامہ لکھا کہ "آل عباس میں سے ابراہیم نے علم خلافت بلند کیا
اور ابو مسلم خراسانی جو اُنکا نقیب ہے خراسان کے اضلاع پر قبضہ کرتا جاتا ہے" ابراہیم امام اسوقت حمیمہ میں تھے اور

اپنے عزیزوں سے کہتے گئے کہ کوفہ چلے جائیں اور ابوالعباس سفاح کو (جو اُنکے حقیقی بھائی تھے) خلیفہ بنائیں ؛
سفاح نے کوفہ پہونچکر جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو خلافت کا اعلان کیا اور بڑے تزک و احتشام
سے مسجد جامع میں جاکر خلافت عباسیہ کا نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ اِدھر ابومسلم نے سمرقند طخارستان۔ طوس۔
نیشاپور۔ رے۔ جرجان۔ ہمدان۔ نہاوند پر فوجیں بھیجیں اور یہ تمام ممالک عباسیوں کے علم اقبال کے سایہ
میں آگئے۔ شہرزور پر خود مروان کے بیٹے عبداللہ سے مقابلہ ہوا اور ابوعون نے جو ابومسلم کا ایک فوجی افسر تھا
عبداللہ کو شکست فاش دی۔ یہ خبر سنکر مروان ایک فوج عظیم کے ساتھ جو تعداد میں لاکھ سے زیادہ تھی اور
جسمیں بنوامیہ کا تمام شاہی خاندان شریک تھا ابوعون کے مقابلہ کو بڑھا۔ اِدھر سفاح نے محمد بن علی اپنے چچا
کو ابوعون کی مدد کو بھیجا۔ مروان نے شکست کھائی اور مصر کو روانہ ہوا۔ چند روز تک بھاگتا پھرا اور آخر
۲۸ ذوالحجہ ۱۳۲ھ کو بوصیر (مصر کا ایک شہر ہے) کے ایک گرجے میں محصور ہوکر مارا گیا اور اس کے قتل کے
ساتھ مروانی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اسکے بعد عباسیوں نے بڑے سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا
اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنی امیہ کا ایک بچہ دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے۔ ڈھونڈ ھکر انکا پتہ لگایا جاتا
تھا اور قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اسپر بھی عباسیوں کا جوش انتقام کم نہ ہوا۔ خلفائے بنی امیہ یعنی امیر
معاویہؓ۔ یزید۔ عبدالملک۔ ہشام کی قبریں اکھڑوا ڈالیں اور اگر ایک ہڈی بھی ثابت ملگئی تو آگ میں جلادی۔ اس
ہنگامہ میں بنوامیہ میں سے ایک شخص عبدالرحمن نام اندلس (اسپین) کو بھاگ گیا اور زور بازو سے وہ عظیم الشان
حکومت قائم کرلی جسکو آل عباس ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکھا کیئے اور کچھ نہ کرسکے۔ عباسیونکی خلافت پانسو
چوبیس برس تک قائم رہی اور اس مدت میں ۳۷ تخت نشین گذرے۔ مامون جسکا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں اس
خاندان کا چھٹا خلیفہ تھا۔ ذیل کے دو شجروں سے خلافت و نسب کی ترتیب معلوم ہوگی ؛

شجرۃ النسب	شجرۃ الخلافۃ
حضرت عباس عم رسول اللہ صلعم عبداللہ۔ مشہور صحابی ہیں علی۔ المتوفی ۱۱۷ھ نہایت جمیل اور صاحب وجاہت تھے محمد المتوفی ۱۲۶ھ سفاح۔ دولت عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہے ۱۳۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ منصور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا۔	سفاح منصور دوانیقی سفاح کا بھائی تھا۔ مہدی بن منصور ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا ہادی بن مہدی ۱۶۹ھ میں تخت نشین ہوا ہارون الرشید بن المہدی ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا مامون الرشید بن ہارون الرشید

ہارون الرشید بڑی عظمت و شان کا خلیفہ گذرا۔ شاہزادگی کے زمانہ میں روم پر لشکرکشی اور پے در پے
فتحیں حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہونچ گیا۔ سریر خلافت پر بیٹھا تو اسلام کے ملکی حدود اسقدر وسیع کر

شوکت و علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا۔ اسکی قدردانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانہ کے اہل کمال دربار میں کھنچ آئے اور آستانہ خلافت علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔ خود بھی نہایت طباع اور قابل تھا۔ اسکی علمی مجلسیں ادبی تصنیفات کی جان ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر اس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا تو ہم اس کے ہوتے عباسیوں میں سے کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے۔ مامون جس کے حالات ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں اسی ہارون کا فرزند رشید تھا۔

مامون کی ولادت اور تعلیم و تربیت

ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا۔ اسکی ولادت کی بھی عجیب رات تھی جسمیں ایک خلیفہ (ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا (ہارون الرشید) تخت نشین ہوا۔ تیسرا (مامون) عالم وجود میں آیا۔ خلیفہ مہدی نے وصیت کی تھی کہ "میرے بعد ہادی تخت نشین ہو اور اسکے بعد ہارون"۔ ہادی نے بدنیتی سے ہارون کو محروم کرنا چاہا اور چونکہ ہارون خانہ جنگیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا اس لئے ممکن تھا کہ ہادی اپنے خود غرضانہ ارادہ میں کامیاب ہو جاتا لیکن موت نے دفعتاً اسکی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ ہارون بستر خواب پر سو رہا تھا کہ وزیر اعظم یحیٰے نے جگا کر مژدۂ خلافت سنایا۔ ہارون نے نہایت یاس سے کہا "دیکھو! تم ہنسی کرتے ہو بھائی صاحب سُن لیں گے تو یہی ہنسی بلائے جان ہوگی"۔ یحیٰی نے عرض کیا کہ قضائے الٰہی نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا آپ اطمینان سے سریر خلافت کو زینت دیں"۔ اسی گفتگو میں خواص مژدہ لائی کہ "مشکوئے معلیٰ میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا"۔ یہی وہ مبارک فال لڑکا تھا جس کی قسمت میں مامون الرشید اعظم ہونا لکھا تھا۔ ہارون نے مبارک فالی کے لحاظ سے عبداللہ نام رکھا۔ کیونکہ بانی دولت عباسیہ یعنی خلیفہ سفاح کا بھی یہی نام تھا۔ مامون کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام مراجل تھا اور بادغیس (ہرات کا ایک شہر ہے) میں پیدا ہوئی۔ علی ابن عیسیٰ گورنر خراسان نے اُس کو ہارون کی خدمت میں پیشکش بھیجا تھا۔ افسوس ہے کہ مراجل وہی چار روز کے بعد انتقال کر گئی اور مامون کو مادر مہربان کے دامن شفقت میں پلنا نصیب نہ ہوا۔

مامون جب قریباً پانچ برس کا ہوا تو بڑے اہتمام سے اسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی دربار میں جو علماء و مجتہدین فن موجود تھے ان میں سے دو شخص یعنی کسائی نحوی اور یزیدی۔ قرآن پڑھانیکے لئے مقرر ہوئے مامون کا سن ہی کیا تھا مگر طباعی اور متانت کے جوہر ابھی سے چمک رہے تھے کسائی کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ مامون کو پڑھنے کے لئے کہتا تھا اور آپ چپکا سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا مامون کہیں غلط پڑھ جاتا تو فوراً کسائی کی

لے ایشیائے کوچک میں ایک نہایت آباد اور مشہور شہر تھا۔ یونانی خاندان جو اس زمانہ میں قیصر کہلاتا تھا۔ اس کا پایہ تخت یہی شہر تھا۔ عربی مورخ اُسکو ہرقلہ لکھتے ہیں۔ اب ویران ہو کر ایک معمولی شہر رہ گیا ۱۲

تھا کسائی حسب عادت سر جھکائے سُن رہا تھا جب مامون اس آیۃ پر پہنچا یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون (اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں) تو بے اختیار کسائی کی نظر اُٹھ گئی مامون نے خیال کیا کہ میں نے شاید آیۃ کے پڑھنے میں کچھ غلطی کی مگر پھر مکرر پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی تھوڑی دیر کے بعد جب کسائی چلا گیا تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لئے کہا تو ایفائے وعدہ فرمائیے" ہارون نے کہا" ہاں اُس نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر ہونے کی درخواست کی تھی جسکو میں نے منظور بھی کیا تھا۔ کیا اُس نے تم سے کچھ تذکرہ کیا۔ مامون نے کہا نہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے اُس وقت کا ماجرا عرض کیا اور کہا کہ خاص اُس آیۃ پر کسائی کا دفعۃً چونک پڑنا بے وجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ہارون اپنے کم سن بیٹے کی اس ذہانت پر نہایت متعجب[1] اور خوش ہوا۔ یزیدی مامون کا صرف معلم نہ تھا بلکہ اتالیق بھی تھا اور مامون کے عام افعال و عادات کی نگرانی اُس سے متعلق تھی۔ اس غرض کو یزیدی نہایت سچائی سے ادا کرتا تھا۔

ایک دن یزیدی اپنے معمول پر آیا۔ مامون اُسوقت محل میں تھا۔ خدام نے یزیدی کے آنیکی اطلاع کی مگر کسی وجہ سے مامون کو باہر آنے میں ذرا دیر ہوئی۔ نوکروں نے موقع پاکر یزیدی سے شکایت کی کہ جب آپ تشریف نہیں رکھتے تو صاحبزادے تمام ملازموں کو نہایت دق کرتے ہیں۔ مامون جب باہر آیا تو یزیدی نے چھ سات بید مارے اتنے میں خادموں نے وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ برمکی کے آنے کی اطلاع کی۔ مامون فوراً آنسو پونچھ فرش پر بیٹھا اور حکم دیا کہ اچھا آنے دو۔ جعفر حاضر ہوا اور دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ یزیدی کو ڈر پیدا ہوا کہ مامون جعفر سے کہیں میری شکایت نہ کردے۔ جعفر چلا گیا تو یزیدی نے پوچھا کہ میری شکایت تو نہیں کی۔ مامون نے سعادتمندانہ لہجہ میں کہا استغفر اللہ میں ہارون الرشید سے کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہونگا کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ تادیب و تعلیم سے مجھکو کسقدر فائدے پہونچیں گے"[2]

خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں جو لوگ معتمد اور صاحب فضل و کمال ہوتے تھے اولاد کو اُنکی آغوش تربیت میں دیدیتے تھے اور انہیں کے اہتمام میں وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ ہارون نے اسی قاعدے کے موافق مامون کو ۱۸۲ھ میں جعفر برمکی کے حوالے کیا۔ مامون کی قابلیت علمی اور عام لیاقتوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ وہ جعفر برمکی کی آغوش میں پلا جو قابلیت وزارت کے علاوہ علوم و فنون میں دستگاہ رکھتا تھا اور زیادہ تر اسی کی سرپرستی میں ممالک اسلامیہ میں فضل و کمال کا رواج ہوا۔ یزیدی کا بڑا بیٹا محمد بھی جو نہایت متبحر اور شاعر تھا۔ مامون کی تربیت پر مامور تھا۔

مامون کو مورخوں نے حافظ القرآن[3] لکھا ہے۔ غالباً اسی زمانہ میں وہ حافظ ہوا ہوگا بہرحال قرآن مجید کے ختم کرنیکے بعد اُس نے نحو و ادب پڑھنا شروع کیا اور وہ مہارت حاصل کی کہ جب کسائی نے ایک موقع پر امتحان

[1] دیکھو منتخب کتاب المختار من نوادر الاخبار صفحہ ۱۲۰ منہ [2] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۳۱۹-۱۲۰

... ان پر بھی ایسے سوالوں کے جواب دیئے کہ خود کسائی کو تعجب ہوا اور ہارون نے جوش طرب میں سینہ سے لگا لیا۔ اس امتحان میں ہارون کا دوسرا بیٹا امین بھی شریک تھا جو مامون سے ایک برس چھوٹا تھا اور جسکو اس بات میں مامون سے شرف حاصل تھا کہ اسکی ماں زبیدہ خاتون تھی اور اس اعتبار سے وہ نجیب الطرفین تھا۔

یزیدی نے مامون و امین کو برجستہ گوئی اور حسن تقریر کی بھی تعلیم دی تھی ان دونوں کی قابلیت پر یزیدی کو خود تعجب ہوتا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ "خلفائے بنی امیہ کے لڑکے قبائل عرب میں بھیجدیئے جایا کرتے تھے کہ شستہ بیانی سیکھیں مگر تم گھر بیٹھے اُن سے کہیں زیادہ فصیح اور زبان آور ہو" اول اول اُس نے جمعہ کے دن ایک بڑے مجمع میں جو فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا ایسے پُرتاثیر لہجہ میں پڑھا کہ تمام حاضرین کے دل دہل گئے اور اکثر لوگ رو پڑے۔ ابو محمد یزیدی نے اسپر ایک قصیدہ لکھا۔ کتاب الاغانی میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہارون نے اسکے صلے میں یزیدی کو ۵۰ ہزار درہم عطا کیئے فقہ کی تعلیم کے لئے سلطنت کے ہر حصہ سے فقہا بلائے گئے اور مامون نے اُنکے فیض صحبت سے ایک ماہر فقیہ کا رتبہ حاصل کیا۔ علم حدیث کی سند ہشیم۔ عباد بن العوام۔ یوسف بن عطیہ۔ ابو معاویۃ الضریر اسمٰعیل بن علیہ حجاج الاعور وغیرہ سے حاصل کی۔ حدیث کے فن میں مالک بن انس امام وقت تھے اور بڑے بڑے ائمہ فن جن میں امام شافعی بھی داخل ہیں ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے ان کی خدمت میں درخواست کی "کہ حریم خلافت میں قدم رنجہ فرما کر شہزادوں کو علم حدیث پڑھائیں" امام مالک نے کہلا بھیجا کہ "وہ علم کے پاس لوگ خود آتے ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں جاتا" اُنہوں نے اس بات سے ہارون کو اور بھی غیرت دلائی کہ "یہ علم تمہارے ہی گھر سے نکلا ہے اگر تم ہی اسکی عزت نہ کروگے تو وہ کیونکر عزت پا سکتا ہے" اس معقول جواب کو ہارون نے نہایت خوشی سے تسلیم کیا اور شہزادوں کو حکم دیا کہ امام موصوف کی درسگاہ میں حاضر ہوں [۱]

ہارون الرشید خود بہت بڑا فقیہ اور پایۂ شناس فن تھا۔ مؤطا کے پڑھنے کیلیئے جو علم حدیث کی نہایت معتبر اور مشہور کتاب ہے وہ اکثر امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور چونکہ اسکو اپنی اولاد کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تھا امین اور مامون بھی اس درس میں اُسکے ساتھ ہوتے تھے ہر چند دار الخلافہ بغداد میں جس پایہ کے علما موجود تھے اُسوقت اور کہیں نہ تھے۔ تاہم ہارون کی خواہش تھی کہ ملک میں اور جو ارباب فن ہیں اُنکے فیض تعلیم سے بھی مامون و امین محروم نہ رہیں۔ جب وہ کوفہ گیا جو اسوقت فقہ و حدیث کا مرکز تھا تو وہاں کے تمام محدثین کو طلب کیا۔ چنانچہ دو شخص کے سوا اور سب حاضر ہوئے۔ یہ دو بزرگ عبد اللہ بن ادریس و عیسیٰ ابن یونس تھے۔ جنھوں نے اپنے طریق عمل سے ثابت کیا کہ امام مالک کے سوا اور لوگ بھی ہیں جو علم حدیث کی اصلی عزت کرتے ہیں ہارون نے حکم دیا کہ مامون و امین خود اُن کی خدمت میں حاضر ہوں ابن ادریس نے سو حدیثیں روایت کیں اور جب اُسیوقت مامون نے ان حدیثوں کو زبانی سنا دیا تو ابن ادریس بھی اسکی قوت حافظہ اور واقفیت پر عش عش کر گئے۔

بالطبع زکی ہو جسنے یزیدی اور کسائی جیسے مجتہدین فن سے تعلیم پائی ہو۔ جوابونواس۔ ابوالعتاہیہ۔ سیبویہ۔ فرا کی علمی مجلسوں میں شریک رہا ہو ایساہی یگانہ فن ہونا چاہیئے جیساکہ مامون تھا بچپن میں ایک مرتبہ اس نے اصمعی سے پوچھاکہ یہ شعر کس کا ہے +

ماکنت الا کلحم میت　　دعا الی اکلہ اضطرار

اصمعی نے کہا ابن عینیة المہلبی کا۔ مامون نے کہا نہایت بلند خیال ہے۔ مگر فلاں شعر سے ماخوذ ہے اصمعی کو اس وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت تعجب ہوا۔ مامون نے اُسی زمانہ میں شعر کہنا ابھی شروع کیا تھا۔ اور چونکہ طبیعت نہایت موزوں اور نظر ازبس وسیع تھی برجستہ کہتا تھا اور خوب کہتا تھا۔ ایک موقع پر ہارون الرشید نے جب فوج کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے بعد سفر کے لئے تیار رہے اور ہفتہ گذر جانے پر بھی لوگوں کو اس کے ارادہ کا ٹھیک حال نہیں معلوم ہوا تو مامون نے اراکین دربار کی فرمائش سے خلیفہ وقت کیخدمت میں عرض کیا۔

یاخیر من دبت المطی بہ　　ومن تقدی بسرجہ الفرس

اے ان سب لوگوں سے بہتر جن کو سواریاں لیکر چلتی ہیں اور وہ جس کے گھوڑے پر ہمیشہ زین رہتا ہے

ھل غایۃ فی المسیر نعرفہا　　ام امرنا فی المسیر ملتبس

سفر کا کوئی وقت ہے جس کو ہم لوگ جان سکیں یا یہ امر ہمارے لئے مبہم رہے گا

ماعلم ھذا الا الی ملک　　من نورہ فی الظلام نقتبس

اس بات کا علم صرف اُس بادشاہ کو ہے جس کے نور سے ہم لوگ تاریکی میں روشنی حاصل کرتے ہیں

ہارون کو اُس وقت تک نہیں معلوم تھا کہ مامون نے شاعری کی ہے۔ اگرچہ اس طباعی اور ذہانت پر نہایت خوش ہوا۔ مگر رقعہ پر بطور جواب کے یہ لکھا "اے جان پدر تم کو شعر سے کیا کام۔ شعر عام آدمیوں کے لئے باعث فخر ہے مگر عالی رتبہ لوگوں کے لئے کچھ عزت کی بات نہیں"۔

سنہ ۱۸۸ھ میں جب ابراہیم موصلی وکسائی نحوی وعباس بن الاخنف شاعر ایک ہی دن قضا کر گئے تو ہارون الرشید نے حکم دیا کہ خود شہزادہ جاکر ان کے جنازہ کی نماز پڑھائے۔ مامون نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا تو پوچھا کہ "کس کا جنازہ سب سے آگے رکھا گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی ابراہیم کا"، مامون نے کہا نہیں عباس کا جنازہ آگے رکھو"، نماز سے فارغ ہو کر واپس چلا تو ایک درباری نے عرض کی کہ عباس کو کیا ترجیح تھی۔ مامون نے کہا ان دو شعروں کی وجہ سے ؎

وسعی بھا ناس فقالوا انما　　لھی اللتی تشقی بھا وتکابد

فجحدتھم لیکون غیرک ظنہم　　انی لیعجبنی المحب الجاحد

یعنی معشوقہ کی نسبت لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم اسی پر مرتے ہو۔ میں نے انکار کیا تا کہ لوگ تیری نسبت گمان نہ کریں۔ مجھکو وہ عاشق پسند ہے جو وقت پر مکر جائے۔

ہے کہ اسوقت فن ادب کو وہ عزت حاصل تھی کہ اس قسم کے مذہبی فرائض میں بھی اسکا لحاظ کیا جاتا تھا۔

مامون نے ان علوم سے فارغ ہوکر فلسفہ کی طرف توجہ کی۔ ہارون الرشید نے عالیشان محکمہ کتب علمیہ کے ترجمے کا قائم کیا تھا۔ اور جسمیں ہندو۔ پارسی۔ عیسائی وغیرہ ہر مذہب و ملت کے لوگ نوکر تھے۔ جو مختلف زبانوں کی کتب فلسفیہ وطبیہ کے ترجمے کرتے رہتے تھے۔ مامون کی تکمیل فلسفہ میں بہت مددگار ہوا لیکن اس موقع پر ہم اُسکی تفصیل نہیں کرتے اور اُس موقع کے لئے اُٹھا رکھتے ہیں جہاں ہم ملکی تاریخ سے فارغ ہوکر اس کے عام اخلاق و عادات کا تذکرہ کرینگے اور اُسی موقع پر اس کی علمی مجلسیں علما سے مناظرے مسائل علمیہ کے متعلق ایجادات۔ فلسفہ کی ترویج کا حال لکھیں گے۔ یہاں مختصر طور پر صرف حالات بیان کئے ہیں جو اسکی ابتدائی تعلیم سے متعلق تھے ؛

مامون کی ولیعہدی ۱۸۲ھ

ہارون کی اولاد ذکور ۱۲ تھی جنمیں سے چار ایسے لائق و قابل تھے جنکو وہ ولیعہدی کے لئے انتخاب کرسکتا تھا۔ مامون۔ امین۔ موتمن۔ معتصم معتصم گو نہایت قوی اندام۔ دلیر۔ شجاع۔ اور فنون جنگ سے واقف تھا لیکن جاہل محض تھا۔ ہارون نے اس بنا پر اُسکو خلافت سے بالکل محروم کردیا۔ امین کی ماں زبیدہ اور اُس کا ماموں عیسیٰ بن جعفر بن المنصور دربار میں ایک پولٹیکل طاقت رکھتے تھے۔ کیونکہ اراکین دربار و افسران فوج جو اکثر بنی ہاشم تھے اتحاد نسب کی وجہ سے زبیدہ کے ساتھ تھے ۱۷۵ھ میں عیسیٰ بن جعفر نے وزیر السلطنت فضل بن یحییٰ سے امین کی ولیعہدی کیلئے سفارش کی اگرچہ امین کی عمر اسوقت کل پانچ برس کی تھی اور اس وجہ سے خاندان شاہی کے چند ممبر اس تجویز پر راضی نہ تھے۔ تاہم فضل کی بات ٹالی نہیں جاسکتی تھی ہارون نے تمام دربار سے امین کیلئے بیعت لی۔ امین اگرچہ نہایت ذکی الطبع۔ فصیح۔ خوش تقریر۔ پاکیزہ رو۔ جور شمائل تھا۔ اس کے ساتھ اس نے نحو۔ ادب۔ فقہ میں نہایت مہارت حاصل کی تھی لیکن عیش طلب ور راحت پسند تھا۔ ہارون کو بھی روز بروز اسکی راحت طلبی کا زیادہ یقین ہوتا گیا۔ مامون کی ذاتی خوبیوں نے ہارون کو بالکل اپنا گرویدہ کرلیا تھا وہ کہتا تھا کہ میں مامون میں منصور کا حزم۔ مہدی کی متانت۔ ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں۔ اور اگر اپنے سے بھی اُسکو نسبت دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں۔ میں نے امین کو خلافت میں اسپر ترجیح دی۔ حالانکہ مجکو معلوم ہے کہ وہ فضول خرچ اور اپنی خواہشوں کا مطیع ہے اور لونڈیاں اور عورتیں اسکی مشیر کار ہیں۔ اگر زبیدہ کا لحاظ اور بنو ہاشم کا دباؤ نہ ہوتا تو میں مامون کو ترجیح دیتا[1]

ہارون نے ایک[2] دن عیسیٰ اپنے چھوٹے بیٹے سے جو حسن[3] و جمال میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا کہا "کاش تیرا حسن مامون کو ملا ہوتا"، خود مامون سے بھی وہ کہا کرتا تھا کہ ساری خوبیاں تجھی میں ہوتیں تو

[1] سیوطی صفحہ ۱۳۲ [2] ذراری صفحہ ۱۰۴ [3] تمام عباسی نسل میں اور خاندان خلافت میں ابو علیلی نہایت حسین اور صاحب جمال تھا۔

زبیدہ کو ان باتوں سے نہایت رنج ہوتا تھا۔ وہ ہارون کو طعنہ دیتی تھی کہ تم ایک کنیز زادہ کو میرے لخت جگر پر ترجیح دیتے ہو۔ دونوں میں اکثر اس بات پر بحثیں رہتی تھیں اور چونکہ زبیدہ عام لیاقتوں میں بھی امین کو مامون سے کم درجہ پر تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہارون اکثر موقعوں پر دونو کا امتحان لیتا تھا اور نتیجہ امتحان پر زبیدہ کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ ایک دن اس نے چند مسواکوں کی طرف اشارہ کرکے جو اسکے پاس رکھی تھیں امین سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ امین نے کہا "مساویک" یعنی مسواکیں۔ پھر اس نے مامون کو بلاکر یہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا کہ "ضد محاسنک یا امیر المومنین"۔

ایک اور دن ہارون نے دو خاص غلاموں سے کہا کہ امین سے تنہائی میں بطور خود پوچھو کہ جب خلافت آپکو ملیگی تو حضور ہمارے ساتھ کیا سلوک فرمائینگے۔ امین نے نہایت خوش ہوکر کہا کہ میں تم کو اسقدر انعام اور جاگیریں دونگا کہ نہال ہوجاؤ گے مگر جب مامون کے پاس گئے تو اس نے دوات جس سے لکھ رہا تھا اُسکے منہ پر پھینک ماری اور کہا بدمعاش جس دن امیر المومنین نہونگے تو ہم لوگ جی کر کیا کرینگے ہم اُنپر فدا نہ ہوجائینگے گے اسپر بھی ہارون امین کی ولیعہدی کو مسترد نہیں کرسکتا تھا۔ مامون کے لئے اتنا کیا کہ ۱۸۲ھ میں امین کے بعد اس کی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لی۔ اور سرو ست خراسان و ہمدان کے صوبجات کا گورنر مقرر کیا۔ تیسرے بیٹے قاسم کو جزیرۂ ثغور و عواصم کی حکومت دی اور مامون کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق نہ ثابت ہو تو وہ معزول کرسکتا ہے اگرچہ ہارون نے اس طور پر ملک کی تقسیم کردی تھی مگر وہ امین کی طرف سے مطمئن نہ تھا وہ جانتا تھا کہ امین خود غرض اور عیش پرست ہے اور چونکہ تمام عمائد بنی ہاشم اور افواج کا بڑا حصہ اس کا طرفدار ہے اسکو دوسروں کی حق تلفی پر بآسانی جرأت ہوسکتی ہے۔ اس خیال سے ۱۸۶ھ میں جب وہ مکہ معظمہ گیا تو امین کو تنہا خانہ کعبہ کے اندر لیجاکر فہمائش کی پھر مامون کو بلایا اور اس سے بھی اس معاملہ کے متعلق دیر تک باتیں کیں۔ اس کے بعد دونوں سے جدا جدا معاہدے لکھوائے جسمیں ہر ایک نے اس تقسیم کو تسلیم کیا جو ہارون نے اُنکے لئے تجویز کی تھی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ تقسیم کی رُو سے مامون کو جو ملک ملے اسمیں کرمانشاہ نہاوند۔ قم۔ کاشان اصفہان۔ فارس۔ کرمان۔ رے۔ قومس طبرستان۔ خراسان۔ زابل۔ کابل ہندوستان ماوراء النہر۔ ترکستان داخل تھے۔ امین کو بغداد۔ واسطہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شامات۔ سواد عراق۔ موصل۔ جزیرۂ حجاز مصر اور بغداد کی انتہائے حدود تک کی حکومت ملی۔ اس معاہدے پر دونوں سے دستخط کرائے اور وہ ایک جم غفیر کے سامنے جسمیں یحییٰ برمکی وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ فضل بن الربیع حاجب اور خاندان خلافت کے تمام اعیان اور فقہا و علماء شامل تھے با آواز بلند پڑھکر سنایا گیا۔ تمام حاضرین نے بطور شہادت کے اسپر دستخط کئے اور جب ہر طرح سے مصدق ہوگیا سونیکے نلوے میں جو زمرد و یاقوت سے مرصع تھا رکھکر حرم کعبہ میں دروازے کے اوپر آویزاں کیا گیا۔ کعبہ کے دربانوں سے حلف لیا گیا کہ اسکی نہایت احتیاط کرینگے اور حج کے زمانہ میں کسی منظر عام پر وہ آویزاں کردیا جاویگا۔ اگرچہ یہ معاہدے نہایت طولانی اور بالکل فضول باتوں سے بھ

ہے کہ وہ ایک قدیم زمانہ کی تحریر ہے اور اس سے اس وقت کے عام خیالات اور طریق معاملات کا اندازہ ہوتا ہے - ہم بجنسہ اس کا ترجمہ اس مقام پر لکھتے ہیں[1]

دستاویز جو امین نے لکھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ ایک تحریر ہے جس کو محمد بن امیرالمؤمنین ہارون نے امیرالمؤمنین ہارون کیلئے لکھا بحالت ثبات عقل و صحت جسم - و درستی فعل - اطاعت مندانہ بلا جبر و اکراہ کہ مجکو امیرالمؤمنین ہارون نے ولیعہد سلطنت کیا ہے اور عموماً تمام مسلمانوں پر میری بیعت لازم کی - میرے بھائی عبداللہ بن امیرالمؤمنین کو میرے بعد میری رضامندی سے نہ جبر و اکراہ سے خلافت اور ولیعہدی اور مسلمانوں کے ہر ایک معاملہ کی افسری حاصل ہوگی اور اُسکو امیرالمؤمنین نے اپنی زندگی میں اور اپنے بعد خراسان اور اُسکے اضلاع و فوج و خراج و محکمۂ ڈاک و پرچہ نویسی و بیت المال و بیت الصدقہ و عشرہ عشیر کی ولایت دی ہے پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ امیرالمؤمنین نے بیعت و خلافت و ولیعہدی اور مسلمانوں کے عام معاملات کی افسری میرے بھائی عبداللہ کو دی ہے میں ان سب امور کو تسلیم کرونگا - خراسان اور اُسکے اضلاع کی حکومت جو اُسکو امیرالمؤمنین نے عطا کی ہے یا زمین خاصہ میں سے جو جاگیریں اُسکو دی ہیں یا کوئی جائداد خاص کردی ہے یا کوئی زمین یا جاگیر اس کو خرید دی ہے اور جو چیزیں اپنی زندگی میں بحالت صحت از قسم مال و جواہرات و اسباب و کپڑے و غلام و مویشی کم ہوں خواہ زیادہ اس کو عنایت کی ہیں وہ سب عبداللہ بن امیرالمؤمنین کی ہیں - جو اسکے لئے تسلیم کرلیا گیا ہے اور جسمیں کچھ عذر نہیں ہے اور میں نے اور عبداللہ بن امیرالمؤمنین نے ان تمام چیزوں کو ایک ایک کرکے بقید نام و نشان و جگہ جان لیا ہے اور اگر ہم دونوں میں سے کسی چیز کی نسبت اختلاف رائے ہو تو عبداللہ کا قول قابل تسلیم ہوگا - میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنا مال نہ قرار دونگا نہ اُس سے چھینونگا نہ کم کرونگا - وہ شے خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی - اور نہ ولایت خراسان سے اور کسی صوبہ سے جسکی حکومت امیرالمؤمنین نے اُسکو دی ہے مجکو کچھ بحث ہوگی - میں عبداللہ کو ان صوبوں سے نہ معزول کرونگا نہ خلع بیعت کرونگا نہ کسی اور کو اسکا قائم مقام کرونگا نہ کسی اور شخص کو ولیعہدی اور خلافت میں اسپر مقدم کرونگا - نہ اُس کی جان یا خون یا صورت یا ایک بال کو ضرر پہنچاؤنگا نہ اُسکے جزئی یا کلی امور میں یا حکومت و مال و جاگیر و زمین خاصہ کے متعلق کوئی رنج دہ بات کرونگا - کسی وجہ سے اسکی کسی چیز میں تبدیلی نہ کرونگا نہ اُس سے نہ اُس کے عمال سے نہ اُسکے منشیوں سے کچھ حساب کتاب سمجھونگا - خراسان اور اُس کے صوبوں اور ان علاقوں میں جسکی حکومت امیرالمؤمنین نے اپنی زندگی میں و حالت صحت میں اُسکو دی ہے جو کچھ انتظامات خود اس نے یا اس کے عمال نے کئے ہونگے مثلاً خراج - خزانہ - طراز - ڈاک - صدقات - عشر و عشور وغیرہ اُسکے درپے نہ ہونگا اور نہ کسی اور کو اجازت یا حکم دونگا نہ ایسا خیال دلمیں لاؤنگا نہ اپنے لئے وہاں کوئی جاگیر کی زمین طلب کرونگا - اور امیرالمؤمنین

[1] علامہ ازرقی نے جو ۲۲۳ھ میں موجود تھا ان دونوں معاہدوں کو بتمامہا تاریخ مکہ میں نقل کیا ہے - دیکھو تاریخ مذکور صفحہ ۱۶۱ تا

لوگوں سے بیعت لی گئی ہے اس میں کچھ کمی نہ کرونگا نہ اور کسی کو اجازت دونگا کہ اس سے تعرض کرے یا اسکا
مخالف بنے یا اُس کی بیعت کو توڑے۔ اس بارہ میں کسی شخص کی خلق اللہ میں سے کوئی بات نہ سنونگا نہ اسپر
ظاہر یا باطن میں راضی ہونگا۔ نہ اُس سے چشم پوشی کرونگا نہ غفلت کرونگا۔ اور نہ کسی نیک آدمی سے نہ بد
سے نہ سچے شخص سے نہ جھوٹے سے نہ ناصح سے نہ فریب دہندہ سے نہ قریب سے نہ بعید سے نہ اولاد آدم
میں سے کسی شخص سے نہ مرد سے نہ عورت سے کوئی ایسا مشورہ یا فریب یا حیلہ کسی بات میں ظاہر یا باطن میں
حق میں یا باطل میں قبول کرونگا جس سے کسی معاہدہ یا شرط کو فاسد کرنا مقصود ہو جو میں نے عبداللہ بن
امیر المومنین سے کی ہے۔ اس دستاویز میں ذکر ہے اور اگر کوئی شخص عبداللہ سے برائی کا ارادہ کرے یا ضرر
پہنچانا چاہے یا اسکی بیعت توڑنا چاہے یا اُس سے ارادۂ جنگ کرے یا اسکی جان یا جسم یا سلطنت یا مال
یا حکومت میں مجتمعہ یا تنہا ظاہر یا باطن میں کچھ تعرض کرنا چاہے تو میرا فرض ہوگا کہ اسکی مدد کروں اور
حفاظت کروں اور جو اپنی جان و جسم و مال و خون و چہرہ و حرم و حکومت سے دفع کروں اور اسکی اعانت کو
لشکر بھیجوں اور ہر مخالف کے مقابلہ میں اُس کی مدد کروں اور نہ چھوڑوں اُسکو اور نہ الگ ہو جاؤں اس سے
اور جب تک میں زندہ ہوں اس بارہ میں اُسکے کام کو اچھا کام سمجھونگا اور اگر امیر المومنین کو موت آجائے اور
عبداللہ بن امیر المومنین اسوقت امیر المومنین کے پاس موجود ہوں یا ہم میں سے صرف ایک شخص حاضر ہو یا کوئی
نہ حاضر ہو۔ ایک ہی جگہ ہوں یا مختلف مقامات میں اور عبداللہ بن امیر المومنین خراسان کے علاقہ حکومت میں نہ ہو تو میرا
فرض ہوگا کہ اسکو خراسان روانہ کروں اور وہاں کی حکومت و صوبے و فوج اُسکے حوالے کروں اور اسمیں نہ
تاخیر کرونگا نہ اُسکو روکونگا نہ اپنے سامنے نہ کسی اور شہر میں خراسان کے ادھر اور فوراً اُس کو روانہ کرونگا۔
خراسان اور اس کے مضافات کا حاکم کرکے مستقل طور پر بغیر اس کے کہ کسی کو اس کا شریک کروں اور اُن سب
لوگوں کو اُسکے ساتھ کرونگا جن کو امیر المومنین ہارون نے عبداللہ کی ہمراہی میں مخصوص کیا ہے از قسم افسران
فوج و لشکر و ندیم و منشی و عمال و غلام و خدام اور جو اس کے ہمراہ ہوں مع اُن کے اہل و عیال کے انمیں سے کسی کو
نہ روکونگا اور نہ کسی کو اسمیں شریک کرونگا میں عبداللہ پر نہ کوئی امین بھیجونگا نہ پرچہ نویس نہ بندار اور نہ قلیل اور
کثیر میں اس کا ہاتھ پکڑونگا۔ جو کچھ اس تحریر میں میں نے شرطیں کیں اور جو کچھ لکھا ہے ان کی نسبت امیر المومنین
ہارون کو عبداللہ بن امیر المومنین کو ذمہ دیتا ہوں خدا کا اور امیر المومنین کا اور اپنا اور اپنے آبا و اجداد کا اور تمام
مسلمانوں کا اور وہ سخت عہد جو خدا نے انبیاء اور مرسلین اور عامہ خلائق سے لئے ہیں اور اس قسم کے عہد
میثاق اور قسمیں جنکے پورے کرنیکا خدا نے حکم دیا ہے اور جنکے توڑنے اور بدلنے سے ممانعت کی ہے پھر اگر
میں توڑ دوں کوئی شرط جو میں نے امیر المومنین ہارون اور عبداللہ بن امیر المومنین سے کی ہے اور جس کا اس
تحریر میں ذکر ہے یا خیال کروں اُس چیز کے توڑنے کا جسپر میں قائم ہوں یا اُسکو بدلوں یا خیال کروں یا بدعہدی
کروں یا کسی شخص سے چھوٹے یا بڑے نیک یا گنہگار مرد یا عورت جماعت یا تنہا کسی سے کوئی بات اُسکے

جو ان میں میرے عقد نکاح میں ہے یا آیندہ تیس برس تک میرے عقد نکاح میں آئے مطلقہ ہو تین طلاق سے طلاق الجرح اور مجھپر فرض ہوگا بیت اللہ کو ننگے پاؤں پیادہ جانا تیس حج کو جو مجھپر نذر اور واجب ہونگے خدا نہ قبول کرے مگر اس کا پورا کرنا۔ اور جو مال آج میرا ہے یا جس کو میں تیس برس تک حاصل کروں وہ کعبہ کے لئے مجکو بطور ہدیہ کے بھیجنا ضرور ہوگا۔ اور جتنے غلام آج میرے مملوک ہیں یا آیندہ تیس برس تک ہوں سب آزاد ہونگے اور جو کچھ میں نے ہارون امیر المومنین اور عبد اللہ بن امیر المومنین کے لئے لکھا ہے اور شرطکی ہے اور قسم کھائی ہے اور اس تحریر میں ذکر کیا ہے مجکو اس کا پورا کرنا لازم ہوگا میں اسکے خلاف دل میں کوئی خیال نہ لاؤنگا اور اُسکے سوا نیت نہ کرونگا۔ اور اگر دل میں ایسا خیال لاؤں یا کچھ اور نیت کروں تو یہ عہد و پیمان اور قسمیں سب مجھپر لازم اور واجب ہونگی اور امیر المومنین کے افسران فوج اور خود لشکر اور تمام شہر کے لوگ اور عام مسلمان سب میرے عہد بیعت و خلافت و ولایت سے بری ہونگے۔ اور میرے خلع بیعت سے انپر کچھ مواخذہ نہ ہوگا حتیٰ کہ میں ایک بازاری آدمی کے برابر ہونگا مجکو ان لوگوں پر کچھ حق نہ ہوگا نہ ولایت نہ اطاعت نہ بیعت اور اُن لوگونکو بے مواخذہ شرعی ان تمام قسموں اور عہدونکو توڑنا جائز ہوگا جو انہوں نے میرے حق میں کئے ہیں[1]

مامون نے بھی ایک ایسی ہی دستاویز لکھی یا اسکی طرف سے لکھی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ امیر المومنین ہارون نے مجکو امین کے بعد ولیعہد کیا اور امین نے ایک دستاویز لکھی جس میں اُس نے میرے حقوق کو اس تفصیل سے تسلیم کیا اور اُسپر قسم کھائی۔ میں بھی امین کی اطاعت کرونگا اور اگر فوج وغیرہ کی مدد چاہے گا تو کافی اعانت کرونگا۔ جبتک کہ وہ اپنے اقرار سے نہ پھرے اور اگر امین چاہے گا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد کرے تو میں اُسکو تسلیم کرونگا۔ بشرطیکہ امین میرے حقوق میں خلل انداز نہو لیکن اگر خود امیر المومنین ہارون اپنے فرزندوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد قرار دیں تو مجکو اور امین کو تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

ابتک تو بظاہر امین و مامون ملکی تقسیم اور جاہ و اقتدار میں برابر کے حصے دار تھے مگر متعدد تجربوں نے ثابت کر دیا تھا کہ امین خلافت کے بوجھ کو کسی طرح سنبھال نہیں سکتا۔ اسی خیال سے ہارون نے اُس کے اختیارات کم کرنے شروع کئے اسی کے ساتھ مامون کو ہر موقع پر ترجیح دی اور گویا طریق عمل سے بتا دیا کہ خلافت اعظم کا مستحق مامون ہے نہ امین۔ سنہ ۱۸۹ھ میں بمقام قرماسین علیٰ رؤس الاشہاد ظاہر کیا کہ مال خزانہ اسلحہ اسباب جو کچھ ہے مامون کا ہے پھر تمام دربار سے کہا کہ "تم لوگ اسپر گواہ ہو" ۱۹۰ھ میں جب روم پر حملہ آور ہوا تو شہر رقہ پر جسکو بجائے بغداد کے دار الخلافہ قرار دیا تھا۔ مامون کو اپنا جانشین کر گیا اور تبرکاً خلیفہ منصور کی خاتم خلافت بھی عنایت کی۔ امین ان کارروائیونکو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر کچھ کر نہ سکتا تھا ۱۹۳ھ میں خراسان کے بعض اضلاع میں بغاوت برپا ہوئی جسکے فرو کرنے کو ہارون خود روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار ہوا اور تمام ملک میں یہ خبر عام ہو گئی۔ امین کی سازش کیلئے یہ ایک عمدہ موقع تھا کیونکہ دربار میں جتنے صاحب منصب

دونوں میں سے کوئی نہ تھا مگر فضل بن الربیع کی وجہ سے دربار پر امین کا اثر غالب تھا۔ ہارون کی بیماری کی خبر سنکر امین نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا اور بہت سے خطوط دیئے جو اہل دربار کے نام تھے۔

ہارون الرشید نے اسی مرض میں ۳؍ جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں انتقال کیا ؛

اسکے مرنیکے بعد قاصد نے امین کے خطوط جن کا مشترک مضمون یہ تھا کہ فوج معہ تمام خزانہ وسلاح و اسباب کے دارالخلافہ بغداد میں حاضر ہو"، تمام درباریونکو حوالہ کئے افسران فوج اور بعض عمائد اس حکم کی تعمیل میں کسیقدر متامل ہوئے لیکن فضل بن الربیع وہ شخص تھا کہ سارا دربار اُسکے اشاروں پر حرکت کرتا تھا اُس نے لوگونکو یقین دلایا کہ امین کے سامنے جو خاص دارالخلافہ پر قابض ہے مامون کو ہرگز فروغ نہیں ہوسکتا چونکہ فوج بھی سکونت کے تعلق سے بغداد ہی کی طرف مائل تھی امین اپنی تدبیریں پورا کامیاب ہوا مامون کی بدقسمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ فوج وحشم ایک طرف خزانہ عامرہ میں سے جس میں اسباب وجواہرات کے علاوہ پچاس کروڑ کے صرف درہم ودینار تھے اسکو ایک حبہ بھی نصیب نہ ہوا غرض متفقاً سب نے بغداد کا رخ کیا۔

مامون اس وقت مرو میں تھا۔ جب یہ خبر پہونچی تو ارکین دربار کو جمع کیا اور صلاح پوچھی سب نے بڑے جوش سے کہا کہ دو ہزار سوار ساتھ ہوں تو ہم شاہی فوج کو بزور واپس لاسکتے ہیں"، مگر فضل بن سہل نے جو وزارت اعظم کے پایہ پر ممتاز تھا۔ مامون کو الگ لیجاکر کہا کہ یہ گنتی کے آدمی شاہی فوج پر جسکا شمار نہیں ہوسکتا فتح تو کیا حاصل کرسکتے ہیں، جب شکست کھاکر جان سے ناامید ہونگے تو حضور کو امین کے حوالہ کردینگے کہ اس کارگزاری کے صلہ میں اپنی جانیں بچالیں۔ اگر یہی منظور ہے تو خط بھیجکر پہلے فوج کا عندیہ دریافت کرلیا جائے دو خاص خادم نامہ لیکر گئے، فضل بن الربیع نے خط پڑھکر کہا میں تو عام رائے کا پابند ہوں جسطرف سب ہونگے میں بھی ہونگا۔ لیکن عبدالرحمن ایک افسر فوج نے قاصدوں کے پہلو پر نیزہ رکھکر کہا کہ تمہارا آقا ہوتا تو یہ برچھی اُسکے پہلو سے پار ہوچکی ہوتی۔ اب مامون کو چند در چند مشکلوں کا سامنا تھا۔ ادہر تو اس کے مالی اور فوجی دونوں بازو ضعیف تھے اِدہر یہ ڈھنگ دیکھکر خراسان کی اکثر سرحدی ریاستیں بغاوت پر کمربستہ ہوگئیں مامون نہاافت سے یک لخت مایوس ہوگیا اور اگر فضل بن سہل نے نہایت استقلال سے اُسکو تسکین نہ دی ہوتی تو غالباً وہ حکومت سے دست بردار ہوجاتا۔ اُس نے فضل سے صریح لفظوں میں کہدیا کہ سلطنت مجھ سے نہیں سنبھل سکتی تم سیاہ وسفید کے مالک ہو اور میں عنانِ حکومت تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں فضل کو بظاہر کوئی سہارا نہ تھا اُس نے مامون کے افسران فوج سے جب اعانت کی درخواست کی تو سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ حاشا! ایسے دو بھائیوں کے معاملہ میں کون دخل دے سکتا ہے۔ تاہم فضل کے عزم وثبات میں ذرا فرق نہ آیا۔ اُس نے اپنے مضبوط اور بیش دل سے یہی صدا سنی کہ مامون ضرور کامیاب ہوگا۔

مامون کے ساتھ اگرچہ فوجی جمعیت بہت کم تھی لیکن علماء وفضلا کا ایک بڑا گروہ موجود تھا جو اس کی

ذریعہ سے وہ اقتدار حاصل کیا کہ اُن کی ایک صدا پر ملک کا ملک اُمنڈ آیا؛

مامون نے خود بھی فصل خصومات اور شاہانہ فیاضیوں سے ایسا حسن قبول حاصل کیا کہ اُسکے عدل و انصاف کے گھر گھر چرچے تھے خصوصاً خراسان کا ایک چوتھائی خراج معاف کر دینے سے تمام ملک اس کے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہو گیا اور بڑے جوش سے یہ صدائیں بلند ہوئیں کہ کیوں نہ ہو ہمارا بھانجا اور ہمارے پیغمبر صلعم کے چچا کا بیٹا ہے۔ چونکہ مامون کی ماں عجمی تھی اس لئے تمام ایرانی اُس کو اپنا بھانجا کہتے تھے۔

مامون اور امین کی مخالفت

امین کو اس کامیابی کے بعد مامون سے کچھ بحث نہیں رہی تھی اُس نے تخت نشینی کے دوسرے ہی دن قصر المنصور کے سامنے ایک گیند گھر طیار کرایا۔ فرامین بھیجے کہ قوال مسخرے ارباب نشاط جہاں جہاں ہوں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں اور دارالخلافہ کو روانہ کئے جائیں۔ ہاتھی، عقاب، سانپ، شیر، گھوڑے کی شکل کی کشتیاں بنوائیں اور اُن میں بیٹھ کر عالم آب کی سیر کرتا تھا۔ اِن صحبتوں میں اُسکو مامون کا خیال بھی نہیں رہا لیکن فضل بن الربیع جو مامون کی ناکامی کا اصلی باعث تھا اور انھیں کارروائیوں کے صلے میں وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ مامون کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اس نے امین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ مامون خلافت سے معزول کر دیا جائے امین نے پہلے تو انکار کیا مگر فضل نے کہا کہ "اول جو بیعت تمام ملک سے لیگئی وہ آپ کے لئے تھی اور غیر مشترک تھی پھر ہارون الرشید کو اسمیں کسی قسم کی تبدیلی کا کیا اختیار تھا۔ یہ بات امین کے دل میں اُتر گئی اور اسپر آمادہ ہوا کہ مامون کو معزول کر کے موسیٰ کے لئے جو اس کا صغیر السن لڑکا تھا بیعت لی۔ دربار میں اگرچہ وہی لوگ تھے جو امین کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے تاہم جب عام دربار سے رائے طلب ہوئی تو عبداللہ بن حازم نے بیباکانہ کہا کہ "اسلام میں آجتک کسی نے عہد شکنی نہیں کی آپ یاد رکھیں کہ اس کی تاریخ آپکے عہد سے شروع ہوتی ہے؛

امین نے خفا ہو کر کہا کہ "چپ رہ عبدالملک تجھ سے زیادہ عاقل تھا" اُس کا قول ہے کہ ایک جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے"۔ پھر افسران فوج طلب ہوئے خزیمہ نے صاف مخالفت کی اور کہا کہ "اگر مامون کی بیعت توڑتے ہیں تو ہم سے بھی اپنی نسبت کچھ امید نہ رکھیئے۔

امین اُسوقت اس ارادے سے باز رہا۔ مگر فضل بن ربیع کا جادو بے اثر نہیں جا سکتا تھا چند روزوں کے بعد تمام ملک میں احکام بھیجدیئے کہ خطبوں میں مامون کے بعد موسیٰ کا نام پڑھا جاوے مامون اپنی قوت کا اندازہ کر چکا تھا اب اُس نے علانیہ مخالفت کی کارروائیاں شروع کیں:۔

امین نے جب شاہزادہ عباس کو مامون کے پاس سفیر کر کے بھیجا کہ موسیٰ کی ولیعہدی تسلیم کرے تو اُس نے صاف انکار کیا۔ اسی طرح امین نے خراسان کے بعض اضلاع طلب کئے تو مامون نے قاصدوں سے کہدیا کہ "امین کو اس قسم کی خواہشوں سے باز آنا چاہیئے"۔

فوجی افسروں کو تاکید تھی کہ سرحدی مقامات پر معمول سے زیادہ فوج و سامان تیار رکھے عصمہ بن
حسین کو روانہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہووے پہونچکر دشمن کا سد راہ ہو۔

مامون پر فوج کشی ۱۹۵ھ

امین تو بہانہ ڈھونڈتا تھا۔ مامون کی گستاخیاں اشتہار جنگ کیلئے اور بھی محرک ہوئیں امین نے وہ دستاویزیں جو معاہدے بعیت کی نسبت لکھی گئی تھیں مکہ سے منگوا کر چاک کر ڈالیں اور موسیٰ اپنے بیٹے کو جو ہنوز پنج سالہ لڑکا تھا ناطق بالحق کا خطاب دیا۔ عمال کو تاکیدی فرمان بھیجے کہ خطبوں میں مامون کی بجائے موسیٰ کا نام پڑھا جائے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ سپہ سالار فوج علی بن عیسیٰ کو دو لاکھ دینار انعام میں لجائے اور سات ہزار مغرق خلعتیں معمولی افسروں کو تقسیم کیں۔ کوچ کے دن فوج اس سرو سامان سے آراستہ ہو کر نکلی کہ بغداد کے بڑے بڑے معمر اور سن رسیدہ جو فوجی جاہ وحشم کے ہزاروں تماشے دیکھ چکے تھے حیرت زدہ رہ گئے۔ علی بن عیسیٰ روانگی کے وقت زبیدہ خاتون (امین کی ماں) سے رخصت ہونے گیا۔ زبیدہ نے چاندی کی ایک زنجیر منگا کر دی کہ مامون گرفتار ہو تو اسمیں مقید کر کے لانا اسکے ساتھ یہ نصیحتیں کیں کہ امین اگرچہ میرا لخت جگر ہے تاہم مامون کا بھی مجھپر بہت کچھ حق ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس کا بیٹا اور کس کا بھائی ہے گرفتار ہو تو پاس ادب ملحوظ رکھنا سخت کہے تو برداشت کرنا راہ میں رکاب تھام کر چلنا کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے تو جانتا ہے کہ اس کا کیا مرتبہ ہے یاد رکھ کہ تو اس کا کسی طرح ہمسر نہیں ہو سکتا“ غرض علی پچاس ہزار فوج لیکر رے کی طرف بڑھا راہ میں جو قافلے ملتے تھے متفق اللفظ بیان کرتے تھے کہ طاہر رے میں بڑی تیاریاں کر رہا ہے۔ مگر علی کثرت فوج پر اس قدر مغرور تھا کہ اس کو مطلق پروا نہ تھی وہ برابر بڑھتا ہوا رے کی حد تک پہونچ گیا۔ طاہر کو لوگوں نے رائے دی کہ شہر میں رہکر علی کا مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی مختصر فوج میدان میں کام نہیں دے سکتی“ طاہر نے کہا اگر دشمن کی فوجیں شہر پناہ تک پہونچ گئیں تو اس کا ظاہری غلبہ دیکھکر خود شہر والے ہمپر ٹوٹ پڑینگے طاہر صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا علی بھی قریب پہونچ گیا تھا دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ علی کی فوج نہایت ترتیب سے بڑھی۔ سب سے آگے زرہ پوشوں کا رسالہ تھا پیچھے سو سو قدم کے فاصلہ پر دس علم اور ہر علم کے نیچے سو سوار تھے۔ علموں کے پیچھے خاص شاہی گارد تھا جس کے قلب میں علی تھا اور اس کے پہلو میں بڑے بڑے تجربہ کار افسر تھے۔ طاہر کی فوج گو نہایت مختصر تھی مگر اس کے پُرزور خطبوں نے ہر شخص میں وہ زور بھر دیا تھا کہ دشمن کی کثرت فوج کا کسیکو خیال ہی نہ تھا۔ سب سے پہلے جس شخص نے صف سے نکلکر لڑائی کی ابتدا کی وہ حاتم طائی علی کی فوج کا ایک نامور بہادر تھا۔ طاہر نے یہ انتظار نہ کیا کہ اُسی کے رتبہ کا کوئی سوار اس کے مقابل ہو۔ اسکو صرف اپنے زور بازو پر اعتماد تھا خود مقابلہ کو نکلا اور جوش غضب میں آکر دونوں ہاتھوں سے قبضہ پکڑ کر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب نے حاتم کا فیصلہ کر دیا۔ اُسی کے زبان خلائق

قدم اُکھڑ گئے تاہم وہ بذاتِ خود ثابت قدم رہا اور دوبارہ فوج کو ترتیب دیکر اہلِ علم پر حملہ آور ہوا اس کے
پے در پے حملوں نے علم برداروں کی صفیں اُلٹ دیں پھر کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ابتر ہوگئی۔ علی نے ہزار
سنبھالا مگر سنبھل نہ سکی۔ اس ہنگامہ میں دفعتًا ایک تیر آکر لگا اور علی کا خاتمہ ہوگیا طاہر نے فتح قطعی حاصل کی اور
مامون کو ان مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا۔ کتابی الی امیر المومنین وراس علی بین یدی وخاتمہ فی اصبعی و جندہ
مصرفون تحت امری۔ یعنی میں امیر المومنین کو خط لکھ رہا ہوں اور علی کا سر میرے سامنے ہے اس کی انگوٹھی میری
اُنگلی میں ہے اور اس کی فوجیں میرے زیر حکومت ہیں۔

قاصدوں نے رے سے مرو تک کی مسافت جو ڈھائی سو فرسنگ سے کم نہ تھی تین دن میں طے کی اور
چوتھے دن مامون کے دربار میں حاضر ہوئے۔ دو دن کے بعد علی کا سر پہنچا بنظر عبرت تمام خراسان میں تشہیر
کیا گیا۔ امین حوض کے کنارے اپنے پیارے غلام کوثر کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا حوض میں
رنگ برنگ کی مچھلیاں پڑی تھیں جن کو سونے کی نتھنیاں پہنائی تھیں۔ نتھنیوں میں بیش قیمت موتی
پڑے تھے کہ جسکے شکار میں جو مچھلی آئے موتی بھی اُسی کو ملے۔

امین خوبصورت لونڈیوں کے ساتھ ہمیشہ اس کے کنارے شکار کھیلا کرتا تھا۔ آج بھی وہ اسی شغل
میں تھا کہ دفعتًا مسرور نے فوج کی شکست اور علی کے مارے جانے کی خبر سنائی۔ امین نے جھلا کر کہا چپ بھی رہ!
کوثر دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے اور مجھکو صبح سے ابتک ایک بھی نہیں ملی"۔ شکار سے فارغ ہوا تو فضل بن الربیع
کو طلب کیا اس نے شکست کی یہ تلافی کی کہ مامون کے وکیل کو جو بغداد میں رہتا تھا پکڑ بلایا اور مال و اسباب
کے علاوہ دس لاکھ روپئے وصول کئے÷

امین نے ایک اور فوج تیار کی جس کی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی عبد الرحمن سپہ سالار مقرر ہوا
اُس زمانہ میں طاہر ہمدان کے قریب مقیم تھا۔ یہ فوج بھی ہمدان کی سرحد پر پہونچکر ٹھہری عبد الرحمن نے اُس
شہر کو صدر مقام قرار دیا اور ضروری موقعوں پر سوار و پیادے متعین کئے۔ طاہر نے شہر پر حملہ کیا۔ مہینوں
محاصرہ رہا آخر عبد الرحمن امن کا طالب ہوا اور شہر چھوڑ کر کسی طرف نکل گیا۔ طاہر قزوین پر بڑھا یہاں کا عامل
جس کا نام کثیر تھا اُسکی آمد کی خبر سنکر پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ قزوین پر تو قبضہ ہوگیا مگر دفعتًہ عبد الرحمن ایک
فوج عظیم لیکر پہونچا اور اس تیزی سے حملہ آور ہوا کہ طاہر کی فوجیں ہتھیار بھی نہ سنبھال سکیں۔ صرف پیادوں
کی جماعت مسلح تھی وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑی اتنی فرصت پاکر سواروں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور سخت
معرکہ ہوا۔ عبد الرحمن کی فوج نے شکست کھائی۔ تاہم وہ ثابت قدم رہا اور جب اُس کے ساتھیوں نے کہا
کہ اب لڑنا بے سود ہے بھاگ چلیئے"، تو اُس نے نہایت غیظ سے کہا کہ "میں خلیفہ امین کو شکست کھایا ہوا منہ دکھانا
نہیں چاہتا"، نہایت بہادری سے لڑا اور مارا گیا÷

اس فتح نے دُور دور تک طاہر کا سکہ بٹھا دیا۔ جبل کے تمام علاقے اس کے قبضہ میں آگئے تاہم یہ شکستیں امین

بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور اس بات کو وہ خود بھی سمجھ گیا۔ اب اُس نے تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا۔ جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونوں افسروں میں پھوٹ ڈالدی اور یہانتک نوبت پہونچی کہ خود یہ دونوں آپس میں لڑ گئے۔ مدت تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اور جس طاقت سے طاہر کے مقابلے کو آئے تھے باہم دگر صرف کر کے بغداد واپس گئے÷

ان فتوحات نے مامون کی امیدیں وسیع کر دیں۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور درباریوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ فضل کو ان تمام ممالک کا گورنر مقرر کیا جو ہمدان سے تبت تک طول میں اور بحر فارس سے جرجان و بحر روم تک عرض میں خاص خلافت مامونیہ کے زیر نگین تھے اُسکے ساتھ ذوالریاستین کا لقب دیا اور تیس لاکھ درہم ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اسی طرح حسن بن سہل کو وزیر الخراج علی بن ہشام کو وزیر الحرب نعیم کو وزیر القلم مقرر کیا÷

اہواز۔ بصرہ۔ بحرین۔ عمان وغیرہ

طاہر خود شلاشان میں ٹھہرا۔ اور رستمی کو اہواز پر بھیجا۔ محمد بن یزید بن حاتم المہلبی جو امین کا عامل تھا اسی اطراف میں موجود تھا۔ رستمی کی آمد سنکر اہواز پہونچا اور قلعہ بندی شروع کی۔ مگر اس کے دوسرے ہی دن رستمی اور قریش (جس کو طاہر نے ایک فوج گراں کے ساتھ رستمی کی مدد کو بھیجا تھا) پہنچے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ محمد کی فوج نے شکست کھائی۔ مگر وہ خود چند جان نثار غلاموں کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑا رہا اگرچہ فتح سے نا امید ہو چکا تھا۔ تاہم اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو بھاگ گئے ان کے واپس پھرنے کی امید نہیں جو ساتھ ہیں ان کا ثابت قدم رہنا یقینی نہیں میں تو لڑ کر مارا جاؤنگا تمکو اجازت ہے جدھر چاہو چلے جاؤ میں تمہارے مرنے سے بہر حال تمہارا زندہ رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں سب نے متفق اللفظ کہا کہ آپ کے بعد دنیا اور زندگی دونوں پر لعنت ہے۔" محمد اور اس کے جان نثار غلام گھوڑوں سے اُتر پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے اگرچہ محمد نے طاہر کے بہت سے آدمی ضائع کئے مگر خود جان بر نہ ہو سکا۔ محمد عرب کے مشہور خاندان آل مہلب سے تھا جس کی دلیری اور بہادری عرب کے کارناموں میں ضرب المثل کی طرح مشہور ہے اور چونکہ وہ خود بھی شجاع اور یادگار سلف تھا طاہر کو بھی اُسکے مارے جانے کا افسوس رہا اس فتح نے اہواز۔ یمامہ۔ بحرین۔ عمان تک مطلع صاف کر دیا اور یہ تمام علاقے طاہر کے قبضے میں آ گئے اب وہ واسط کی طرف بڑھا یہاں کا عامل پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل کے عاملوں نے خود طاہر کے پاس اطاعت کے خطوط بھیجے اور جب ۱۹۶ھ تک طاہر کی فتوحات سے صرف بغداد اور اُسکے متعلقات بچ رہے۔ مدائن میں برمکی نے بہت کچھ تیاریاں کیں۔ دار الخلافہ سے ہر روز مدد چلی آتی تھی مگر طاہر کا کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ جب برمکی اُس کے مقابلہ کو نکلا تو فوج کی صفیں بھی درست نہ ہو سکیں۔ ایک کو سنبھالا تو دوسری ابتر ہو گئی مجبور ہو کر

[illegible] کا عامل تھا اس نے تمام اعیان عرب کو جمع کیا اور مجمع عام میں ایک
نہایت پُراثر تقریر کی۔ جب امین کی برائیاں کیں تو ان فقروں نے ساری مجلس کو کپکپا دیا کہ یہ وہی امین ہے
جس نے حرمت حرم کا بھی خیال نہ کیا اور معاہدوں کی تصدیق صحن کعبہ میں ہوئی تھی انکو چاک کر کے آگ میں
جلا دیا داؤد اس تقریر کے بعد ممبر پر چڑھ گیا اور سر سے ٹوپی اُتار کر پھینک دی کہ اسی طرح میں امین کو خاک پر
پھینکتا ہوں۔ سب نے غائبانہ مامون کے لئے بیعت کی۔ مامون کو جب یہ خبر پہونچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور
نذر کے بھیجے اور مکہ کی حکومت اس پر مستزاد کی۔ چند روز کے بعد یمن وغیرہ کے عمال۔ نے بھی طاہر کی اطاعت
قبول کی اور امین کی حکومت بغداد کی حد تک رہگئی۔ تاہم اس نے ایک عظیم الشان لشکر جس میں قریباً چار سو افسر
تھے۔ علی بن محمد کی ماتحتی میں ہرثمہ کے مقابلہ کو روانہ کیا۔ رمضان ۱۹۶ھ میں بمقام نہروان دونوں فوجیں مقابل
ہوئیں۔ امین کی یہ اخیر کوشش بھی کچھ کامیاب نہ ہوئی فوج نے شکست کھائی اور علی زندہ گرفتار ہوا اب صرف
یہ تدبیر باقی رہ گئی کہ مال و زر کی طمع دلاکر دشمن کی فوج توڑ لی جائے۔ امین کے خزانہ عامرہ میں ہارون الرشید
کے زمانہ کا اب بھی بہت اندوختہ موجود تھا جو اس ضروری موقع پر تیغ و خنجر سے زیادہ کام آیا۔ قریباً پانچہزار
آدمی اس طمع پر طاہر کا ساتھ چھوڑ کر دار الخلافہ بغداد میں حاضر ہوئے امین نے خطوط میں جو وعدے کئے تھے
اس سے بھی زیادہ انعام و صلہ دیا اور فخر کے طور پر اُن کی ڈاڑھیاں مشک سے رنگوائیں یہ لوگ اور بہت سی
فوج لیکر طاہر سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔ صرصر میں مقابلہ ہوا مگر نتیجۂ جنگ نے ثابت کر دیا کہ جو لوگ
طاہر کے ساتھ دغا کر چکے تھے وہ امین کے ساتھ بھی وفاداری نہیں کر سکتے تھے طاہر نے فتح قطعی حاصل کی
اور بیشمار غنیمت ہاتھ آئی۔ امین نے اب ایک نئی فوج تیار کی جس میں حوالی بغداد کے عوام بھرتی تھے۔
انھیں میں سے کمانیر اور جرنل بھی مقرر کئے اور ایک ایک کو گراں بہا انعامات سے مالامال کر دیا قدیم افسر
جو ان فیاضیوں سے محروم رہے نہایت ناراض ہوئے اُدہر طاہر نے اُن سے خط و کتابت شروع کی جس کا یہ
اثر ہوا کہ وہ علانیہ باغی ہو گئے درباریوں نے عرض کیا کہ انعام و صلہ کی طمع دلاکر انکو قابو میں لانا چاہیئے۔
لیکن امین کو اپنی نو آزمودہ فوج پر اسقدر ناز تھا کہ اس نے قدیم تجربہ کار لشکر کی کچھ پروا نکی اور ان نو آزمودہ
کو حکم دیا کہ ان باغیوں کو گرفتار کر لائیں۔ اِدھر امین کی پرانی اور نئی فوجیں باہم معرکہ آرا تھیں اُدہر طاہر بے رُک
ٹوک بڑھتا چلا آیا اور ذوالحجہ ۱۹۶ھ میں باب الانبار پہونچکر ایک باغ میں مقام کیا۔ امین کے بہت سے
افسر اس کے پاس حاضر ہو گئے اور بڑے بڑے انعامات و صلے حاصل کئے ؛

بغداد کا محاصرہ ۱۹۷ھ

اگرچہ امین کی تمام قوت صرف ہو چکی تھی اور بظاہر دار الخلافہ میں کوئی شخص طاہر کا سد راہ نہ تھا تاہم طاہر
[illegible]

ہیں آئیں اُن کو امن دیا جائے باقی حصوں پر منجنیقوں کے ذریعہ سے آگ اور پتھر برسائیں اور تمام عمارتوں کو
خاک کے برابر کردیں۔ نہایت سفاکی اور بیرحمی سے اِن احکام کی تعمیل ہوئی۔ ہزاروں عالیشان مکان
برباد کردیئے گئے محلے کے محلے تباہ ہو گئے۔ افراہرد۔ محمد بن عیسیٰ۔ سعید بن مالک نہایت دلیری سے
لڑے مگر عاجز ہو ہو کر طاہر کی پناہ میں گئے۔ رفتہ رفتہ عبد اللہ بن یحییٰ بن ہامان محمد طائی وغیرہ نے بھی جو
امین کے ارکان خلافت تھے اطاعت قبول کی صرف شہر کے اوباش اور عیار باقی رہگئے جو طاہر کے سدِ راہ
تھے لیکن اُن کے زیر کرنے میں طاہر نے جو دقتیں اُٹھائیں بڑے بڑے معرکوں میں نہیں اُٹھائی تھیں
قصر صالح پر ان لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ طاہر کی بہت سی فوج ضائع ہوئی اور چند مشہور افسر
مارے گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ علی کے معرکوں سے لیکر آجتک طاہر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا
تھا۔ اس شکست کے انتقام میں طاہر نے حکم دیا کہ دجلہ سے والرقیق تک اور باب الشام سے باب الکوفہ تک جسقدر
آبادی ہے کلیتاً برباد کردیجاوے۔ اس پر بھی جب اہل شہر مطیع نہ ہوئے تو گذرگاہوں پر پہرے بٹھا دیئے کہ
باہر سے رسد کی کوئی چیز نہ آنے پائے لیکن عیار اب بھی زیر نہ ہوئے۔ قصر شماسیہ پر طاہر نے عبد اللہ کو
متعین کیا۔ عیاروں نے اُسکو سخت شکست دی اور جب طاہر کی طرف سے ہرثمہ مدد کو آیا تو عیاروں نے
اُسکو زندہ گرفتار کرلیا۔ طاہر خود گیا تو بڑے سخت معرکہ سے عیار پیچھے ہٹے۔ پورے برس دن معرکہ رہا
اور دار الاسلام بغداد ایک ویرانہ سے بدتر ہو گیا۔ ایسا معمور اور پُر رونق شہر دُور دُور تک کفِ دست
میدان پڑا تھا۔ امین کے عالیشان قصر و محل جو تقریباً دو کروڑ کے صرف میں تیار ہوئے تھے ان کے
صرف کھنڈر باقی رہگئے اہل شہر پر جو سختیاں گذریں ان کا اندازہ کون کرسکتا ہے سینکڑوں گھرانے
برباد ہو گئے۔ ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ ہر گلی کوچہ میں دردناک آوازیں بلند تھیں۔ شعرا نے نہایت
جانکاہ مرثیے لکھے۔ جرمی کا ایک قصیدہ اب بھی موجود ہے جو ۱۵۰ شعروں کا ہے اور اس قیامت خیز
واقعہ کی تصویر ہے بغداد اتنا کچھ برباد ہوچکا تھا۔ تاہم طاہر کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی
اور اگر خزیمہ جو امین کے درباریوں میں نہایت با اثر شخص تھا ساتھ نہ دیتا تو بغداد کی فتح میں شاید بہت زیادہ
دیر لگتی۔ ۲۰ / ۲۱ محرم ۱۹۸ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہوا اور دجلہ پر علم نصب کرکے اعلان کیا
کہ خلیفہ امین معزول کردیا گیا۔ اس اشتہار سے شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل طور سے فتح ہو گیا۔ دوسرے
دن طاہر نے مغربی حصہ پر حملہ کیا۔ بازار کرخ کے متصل سخت معرکہ ہوا۔ طاہر نے قصر الوضاح پر تھوڑی فوج
متعین کی اور بذات خود مدینۃ المنصور قصر زبیدہ قصر الخلد کا محاصرہ کیا یہ عالیشان ایوانات جو خلفائے
عباسیہ کے یادگار تھے بجائے خود ایک شہر تھے اور ان کے گرد جدا جدا شہر پناہ تھی۔

عبرت اس محاصرہ میں ابراہیم بن المہدی جو ہارون الرشید کا بھائی اور فن موسیقی میں یگانہ روزگار

ہے تو کیسا خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ایسے پُر لطف وقت میں کیا چیز ضروری ہونی چاہیئے؟ شراب - میں نے کہا سمعًا وطاعۃً۔

غرض شراب آئی - امین نے میری طرف پیالہ بڑہایا - میں نے مزے میں آکر چند اشعار گائے - امین نے کہا نغمہ ہے تو ساز بھی ہونا چاہیئے" حسب الطلب ایک مغنیہ کنیز آئی امین نے نام پوچھا اُس نے کہا "ضعف" امین اس منحوس نام سے متوحش ہوا - پھر کچھ گانے کی فرمائش کی تو یہ شعر گائے ؎

کلیب لعمری کان اکثر ناصرًا
وایسر جرمًا منک ضرج بالدم

یعنی اپنی عمر کی قسم - کلیب کے مددگار زیادہ تھے اور وہ تجھ سے زیادہ مدبر اور عاقل بھی تھا - تاہم خون میں رُلایا گیا - امین اور مکدر ہوا اور دوسری چیز گانے کی فرمائش کی اُس نے یہ شعر گایا ؎

ابکی فراقھم عینی فارقھا
ان التفرق للاحباب بکاء

یعنی اُن لوگوں کے فراق نے میری آنکھوں کو رُلایا اور نیند کھودی - جدائی دوستوں کو سخت رُلانیوالی چیز ہے۔ امین نہایت منغص ہوا اور خفا ہوکر کہا "کمبخت تجھے اس کے سوا اور بھی کچھ آتا ہے" اس نے عرض کیا "میں نے وہی اشعار گائے کہ حضور ان کو سنکر خوش ہوں" پھر اُس نے اور چند ایسے ہی اشعار گائے امین نے نہایت غصہ میں آکر کہا - ملعونہ دور ہو - اُٹھی تو ایک بلور کے پیالے سے جو نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا اور امین اس کو زب رباج کہا کرتا تھا - ٹھوکر کھاکر گری - اس کے صدمے سے پیالہ بھی ٹوٹ گیا امین میری طرف مخاطب ہوا کہ "دیکھتے ہو آج کیا کیا باتیں پیش آتی ہیں - غالبًا اب میرا وقت پورا ہو چکا" اسی گفتگو میں کسی طرف سے آواز آئی قضی الامر الذی فیہ تستفتیان یعنی جس امر میں تم دونوں بحث کرتے ہو طے ہو گیا" امین نے مجھسے کہا "کچھ سنا بھی" میں نے عرض کیا مجکو تو کوئی چیز سنائی نہیں دی" تاہم اُٹھکر میں نہر کے قریب گیا - وہاں کوئی نظر نہ آیا تو واپس آکر پھر باتوں میں مشغول ہوا دوبارہ پھر وہی آواز آئی - امین زندگی سے مایوس ہوکر اُٹھا اس واقعہ کے دو ہی تین دن بعد قتل کیا گیا ؂

اس یاس اور ناامیدی میں امین کو بھائی یاد آیا اُس نے طاہر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا آپس کی خانہ جنگیوں سے یہ نوبت پہونچی کہ اب عزت و ناموس کی طرف سے بھی اندیشہ ہے مجکو ڈر ہے کہ یہ موقع دیکھکر غیروں کو خلافت کی ہوس نہ پیدا ہو - بہر حال میں اسپر راضی ہوں کہ تو مجکو امان دے تو بھائی مامون کے پاس چلا جاؤں اگر اس نے عنایت کی تو اس کے رحم اور فیاض دلی سے یہی توقع ہے اگر قتل کرادیا تو گویا ایک زور نے دوسرے زور کو توڑا اور تلوار نے تلوار کو کاٹا اگر شیر پھاڑ ڈالے اس سے اچھا ہے کہ مجکو کتا نوچ کھائے یہ یقینی ہے کہ امین اگر مامون تک پہونچ جاتا تو مامون کی رحمدلی اور برادرانہ الفت کا جوش پھر بھی شفیع ہوتا۔ اور اگر تخت خلافت کی عزت نہ ملتی تو کم سے کم اس کی جان ضرور بچ جاتی - لیکن طاہر نے جس کی قسمت میں

امین کا قتل

طاہر کے پیہم حملوں نے امین کے طرفداروں کو یقین دلادیا کہ اب اُنکے روکنے کی کوشش قریباً بیکار
ہے محمد بن ہاشم بن القصر و محمد اغلب افریقی جنکی پامردی سے ابتک امین پر کوئی دسترس نہیں پاسکتا تھا اب
وہ بھی ہمت ہار گئے اور امین کے پاس حاضر ہوکر عرض کیا کہ "نمکخواروں نے کورنمکی کی دشمن حریم شاہی
تک پہونچ گیا۔ اب صرف یہ تدبیر ہے کہ رفقا میں سے سات ہزار جان نثار خاص انتخاب کرلئے جائیں
جن کیلئے اصطبل خاصہ میں اسی تعداد کے گھوڑے موجود ہیں۔ اُنھیں کی حفاظت میں حضور رات کیوقت
یہاں سے نکل جائیں اسکے ہم ذمہ وار ہیں کہ طاہر یا کوئی اور شخص ہمارے روکنے کا حوصلہ نہیں کرسکتا شام کا
ملک سامنے ہے حضور وہیں کا قصد کریں وہاں اس قدر خزانہ و مال موجود ہے کہ ہم اپنی قوت کافی طور سے
بڑھا سکتے ہیں اور پھر دشمن کے حملوں سے بھی کچھ خوف نہ ہوگا" امین نے یہ رائے تسلیم کی اور مصمم ارادہ کرلیا کہ
دار الخلافہ چھوڑکر کسی طرف نکل جائے۔ طاہر کو یہ خبر پہونچی تو اس نے سلیمان بن منصور۔ محمد بن عیسےٰ وغیرہ کو
بلا بھیجا یہ لوگ ظاہر میں امین کے ساتھ تھے اور اس کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے لیکن جان کے خوف سے
طاہر کے خلاف کوئی بات نہیں کرسکتے تھے۔ طاہر نے ان لوگوں سے کہا کہ "اگر امین بچکر نکل گیا تو تم کو اپنی
زندگی سے مایوس رہنا چاہیئے جسطرح بنے اُسکو اس ارادے سے باز رکھو مجبوراً یہ لوگ امین کے پاس حاضر ہوئے
اور کہا دو جن لوگوں نے حضور کو یہ رائے دی خود غرضی سے دی۔ چونکہ طاہر کے مقابلہ میں زیادہ تر اُنھیں لوگوں
نے سرگرمی دکھائی ہے اُنکو یقین ہے کہ اگر اس نے فتح پائی تو پہلے اُنھیں کی خبر لیگا اس لئے یہ چاہتے ہیں کہ جب
حضور شام کے قصد سے حریم خلافت سے باہر نکلیں تو گرفتار کرکے طاہر کے حوالے کردیں اور اس کارگذاری کے
صلہ میں اُس سے عفو تقصیر کے خواستگار ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ حضور تخت خلافت سے الگ ہوجائیں اور اپنے کو
طاہر کے ہاتھ میں دیدیں وہ آپکا ادب ملحوظ رکھیگا اور مامون سے تو پوری امید ہے کہ برادرانہ سلوک کریے۔
امین اس فریب کو نہ سمجھ سکا اور یہ رائے بھی مان لی۔ اس قدر اختلاف کیا کہ بجائے طاہر کے ہرثمہ کو اختیار
کرنا چاہیئے ان جان نثاروں محمد بن حاتم و محمد بن ابراہیم کو جب اس ارادہ کا حال معلوم ہوا تو امین کے پاس
آئے اور عرض کیا کہ اگر حضور نے ہم خیر خواہوں کا کہنا نہ مانا اور خود غرضوں کی رائے قبول کی تو طاہر سے براہ
راست معاملہ کرنا چاہیئے" امین نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک بڑی لمبی چوڑی دیوار ہے جس کی
بلندی آسمان تک پہونچی ہے میں اُس دیوار پر لباس شاہانہ پہنے تلوار لگائے کھڑا ہوں۔ بُن دیوار میں
طاہر استادہ ہے اور دیوار کی جڑ کھود رہا ہے بالآخر وہ گر پڑی جسکے ساتھ میں بھی نیچے آیا اور تاج شاہی
سر سے گر گیا۔ اس خواب کے بعد سے طاہر کے خیال سے میں چونک پڑتا ہوں۔ ہرثمہ اس خاندان کا
نمک پروردہ قدیم ہے اور میں اسکو ظل سبحانی ہارون الرشید کے برابر سمجھتا ہوں ؛

اور کہا کہ وہ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آجتک تمام معرکوں میں میں نے جانبازی کی ہو اور امین کا ہاتھ آنا جو خاتمہ فتح
ہے ہرثمہ کو نصیب ہو اس نزاع کے فیصل کرنے کے لئے عمائد بنی ہاشم شامل تھے بالآخر اس پر فیصلہ ہوا کہ
امین بذات خود ہرثمہ کے پاس چلا آئے اور چھڑی و چادر و انگشتری جو سند خلافت ہیں طاہر کے پاس بھیجدے
مگر افسوس ہے امین کی بدقسمتی نے اس تجویز کو بھی چلنے نہ دیا۔ ہرش ایک شخص نے جو اس سے پہلے امین کا معتمد
خاص تھا اور اب طاہر سے ملگیا تھا۔ اپنا تقرب بڑھانے کیلئے طاہر سے کہا کہ آپکو دھوکہ دیا گیا ہے لوگوں نے
بند و بست کر لیا ہے کہ امین کے ساتھ خاتم خلافت وغیرہ بھی ہرثمہ کے ہاتھ آئے۔ طاہر نہایت برافروختہ ہوا اور
تیراندازوں کا ایک خفیہ دستہ متعین کر دیا کہ خفیہ طور سے قصر الخلد و قصر زبیدہ کی حفاظت رکھے اور اُن کو
تاکید کی کہ امین نکلکر جانے نہ پائے محرم ۱۹۸ھ کو ۲۵ تاریخ ہفتہ کی رات قریباً دس بجے امین نے ہرثمہ کے
پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس نے کہلا بھیجا کہ "دجلہ پر طاہر نے فوج متعین کر دی ہے آج کی رات حضور اور
توقف فرمائیں توکل میں فوج و حشم سے تیار رہوں اور اگر مقابلہ کی نوبت آئے تو سینہ سپر ہو کر لڑوں" امین
ایسے اضطراب و خوف کی حالت میں تھا کہ دار الخلافہ میں ایک لحظہ بھی ٹھہرنا اُسکو گراں تھا اُس نے قاصد سے کہا
کہ اس اضطراب میں کس سے رات کٹ سکتی ہے بلائے یا نہ بلائے میں اسی وقت ہرثمہ کے پاس جاتا ہوں"
امین کا یہ آخری دربار تھا کہ وہ حریم خلافت سے رخصت ہوتے وقت صحن القصر کے صحن میں ایک کرسی
پر بیٹھا اور چند خدام اس کے سر پر گرز لئے کھڑے ہوئے اُس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور سینے سے
لپٹا کر پیار کیا انکی پیشانی اور رخساروں پر بوسے دیئے اور پھر گلے سے لگا کر خوب رویا اور نہایت حسرت
کے ساتھ یہ کہکر رخصت کیا کہ جاؤ خدا کو سونپا" امین جب کبھی سوار ہوتا تھا" تو ہزاروں زرین کمر غلام رکاب کے برابر
چلتے تھے جنکی زرق برق پوشاکیں اور چمکتے ہوئے مرصع ہتھیاروں سے تمام میدان چمک جاتا تھا۔ آج وہ اس
حال سے دجلہ کیطرف چلا ہے کہ خادم کے ہاتھ میں صرف ایک شمع ہے جو راستہ دکھائی دینے کیلئے قصر خلد
سے ساتھ آئی ہے دجلہ کے کنارے پر پہونچا تو ہرثمہ آدمیوں کے ساتھ اُس کے لینے کو پہلے موجود تھا یہ لوگ
کشتی پر سوار تھے امین کو آتے دیکھکر سب تعظیم کو اُٹھے ہرثمہ کو چونکہ نقرس کی شکایت تھی۔ آداب شاہی نہ بجالا سکا
اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر معافی مانگی کہ "بیماری کی وجہ سے معذور ہوں" امین جب کشتی میں داخل ہوا تو
ہرثمہ نے اپنے آغوش میں لیا ہاتھ اور پاؤں کو بوسے دیئے اور ادب آمیز پیار سے کہتا جاتا تھا۔ میرے آقا۔
میرے مالک میرے سردار" ہرثمہ نے کشتی کے بڑھانے کا حکم دیا دفعتہً طاہر کے آدمیوں نے ہر طرف سے
گھیر لیا اور اسقدر پتھر برسائے کہ تمام تختے ٹوٹ گئے۔ ہرثمہ کو ملاحوں نے باہر نکالا۔ امین جس کا کوئی دستگیر نہ
تھا کپڑے پھاڑ کر ہلکا ہوا اور ڈوبتا تیرتا کنارہ پر پہونچا۔ احمد بن سلام کا بیان ہے کہ امین کیساتھ میں بھی کشتی
میں تھا۔ لوگ مجھکو طاہر کے ایک افسر کے پاس پکڑ کر لیگئے جب اُسکو یہ معلوم ہوا کہ میں بھی امین کے ساتھ تھا تو میری
... جان بچائی اور ضمانت پر قید رکھا گیا۔ شام ہوئی

تھا۔ سر پر ایک عمامہ اور کاندھے پر ایک بوسیدہ چادر تھی عمامہ سے اُس نے اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔ میں جس حجرہ میں مجبوس تھا اُسی میں امین کو بھی بٹھاکر چلے گئے اور دربانوں سے تاکید کرتے گئے کہ نہایت احتیاط رکھیں ان لوگوں کے چلے جانے پر امین ذرا مطمئن ہوا اور چہرے سے نقاب اُلٹی میں نے پہچانا تو بیاختہ رو پڑا امین نے میرا نام پوچھا میں نے کہا "حضور کا نمکخوار غلام احمد بن سلام۔ امین نے کہا ہاں میں نے پہچانا۔ بھائی غلامی کیسی اسوقت تو تم میرے برادر اور قوت بازو ہو مجھے ذرا سینہ سے لگالو مجکو سخت وحشت ہو رہی ہے میں نے لپٹایا تو اُسکا کلیجہ دھڑ دھڑ کرتا تھا پھر پوچھا کہ "مامون کا کچھ حال معلوم ہے میں نے کہا زندہ ہے کہنے لگا خدا پرچہ نویسوں کا برا کرے کمبختوں نے خبر دی تھی کہ مرگیا" میں نے کہا خدا آپکے وزیروں کا برا کرے۔ امین نے کہا وزیروں کو کچھ نہ کہو انکا کیا گناہ ہے۔ کچھ میں ہی پہلا شخص نہیں ہوں جو اپنے ارادے میں ناکام رہا ہو پھر مجھ سے پوچھا کہ کیوں احمد! لوگ مجکو قتل کر ڈالیں گے؟ یا اپنے عہد پر قائم رہیں گے" میں نے تسکین دی کہ "نہیں ضرور اپنے اقرار کی پابندی کرینگے۔

چونکہ شدت کی سردی تھی اور پانی میں بھیگا ہوا تھا۔ چادر میں لپٹا جاتا تھا میں نے اپنا شلوکہ اُتار کر دیا کہ اسکو بدن پر ڈال لیجئے اس نے نہایت شکر گزاری سے کہا کہ بھائی اس موقع پر تو یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے آدھی رات گذری ہوگی کہ چند اہل عجم ننگی تلواریں لے آئے اور دروازے پر ٹھہرے۔ امین یہ دیکھکر کھڑا ہو گیا اور نہایت اضطراب سے انا للہ پڑھتا جاتا تھا اور یہ کہتا تھا۔ ہائے میری جان مفت جاتی ہے کیا کوئی شخص یاور نہیں کیا کوئی فریادرس نہیں" امین گو عیش پرست اور نازک اندام تھا مگر اس کے ساتھ نہایت شجاع اور قوی بھی تھا اس بیکسی میں بھی قاتلوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آگے بڑھیں ہر شخص دوسرے پر ٹالتا تھا۔ امین نے بجائے سلاح جنگ کے ہاتھ میں ایک تکیہ اُٹھالیا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ میں تمہارے نبی کا ابن عم ہوں ہارون الرشید کا فرزند ہوں۔ مامون کا بھائی ہوں میرا خون کسی طرح حلال نہیں" بالآخر ایک شخص تلوار لیکر بڑھا اور امین کے سر پر ماری۔ اس گستاخی اور جرأت نے امین کو یقین دلا یا کہ اُسکی دردناک فریاد ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہیں کرسکتی وہ مرنیکے لئے تیار ہوا مگر ایسا ہی مرنا جیسا کہ ایک عباسی شہزادہ کو درکار تھا۔ اب اُس کی نزاکت غضبناک جرأت سے بدل گئی دلیرانہ بڑھا اور چونکہ تنہا تھا چاہا کہ حریف کی تلوار چھین کر ہاشمی جرأت کے جوہر دکھائے یہ دیکھکر گروہ کا گروہ دفعۃً اُسپر ٹوٹ پڑا ایک شخص نے کمر پر تلوار ماری پھر سب نے ملکر پچھاڑا اور اُلٹی طرف سے ذبح کیا۔ طاہر کے پاس سر لائے تو اُس نے حکم دیا کہ ایک برج پر لٹکا دیا جائے۔ تمام بغداد یہ عبرت انگیز تماشہ دیکھنے آیا طاہر یہ کہکر لوگوں سے اپنی کارروائی کی داد چاہتا تھا کہ یہ خلیفہ معزول کا سر ہے طاہر نے مامون کو ان دلچسپ اور مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا۔ میں امیر المومنین کی حضور میں دنیا اور دین دونوں پیشکش بھیجتا ہوں" دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا اور دین سے چادر اور خاتم خلافت ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھکر مامون کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی

منعقد کیا اور تمام اراکین دولت و افسران فوج مبارکباد دینے کو حاضر ہوئے[1]۔ ذوالریاستین نے دربار عام میں نامہ فتح پڑھا اور ہر طرف سے مبارک مبارک کا غل اُٹھا اگرچہ اُسوقت اتنی خوشیاں منائی گئیں۔ مگر اس خمار کے اترنے کے بعد برادرانہ جوش محبت کے اثر نہیں رہا۔ مامون کو اس موقع کا نہایت افسوس ہوا اور طاہر کی تمام کوششیں اس کی آنکھ میں بے قدر ہوگئیں؛

زبیدہ خاتون امین کی ماں قصر خلافت میں تشریف فرما تھیں کہ ایک خواص نے آکر کہا "حضور بیٹھی کیا کرتی ہیں امیر المومنین قتل کردیئے گئے" زبیدہ نے کہا پھر کیا کروں اُس نے ترغیب دی کہ حضرت عائشہ جس طرح حضرت عثمان کے خون کی دعویدار ہوئی تھیں۔ حضور بھی امیر المومنین کے خون کا دعویٰ کریں۔ زبیدہ نے کہا لا ام لك بالنساء وطلب الدماء پھر مامون کو یہ منظوم خط لکھا[2]۔

الوارث علم الاولین وفهمهم — وللملك المامون من ام جعفر

ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ مامون کے نام جو کہ اگلوں کے علم و فہم کا وارث ہے

كتبت وعيني مستهل دموعها — اليك ابن عمي من جفون ومحجر

اے ابن عم میں تجکو لکھہ رہی ہوں اور میری آنکھیں پلکوں سے خون برساتی ہیں

وقد مسني ذل وضر كآبة — وارق عيني يا ابن عمي تفكر

مجکو ذلت اور اذیت وہ رنج پہونچا اور فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کردیا۔

اتى طاهر لا طهر الله طاهرا — فما طهر فيما اتى بمطهر

یہ طاہر کو کیا ہوا ہے۔ (جسکو خدا طاہر نہ کرے) اور جو کچھ اس نے کیا اُسکے الزام سے پاک نہیں ہوسکتا

فاخرجني مكشوفة الوجه حاسرا — وانهب اموالي واخرب ادوري

اُس نے مجکو برہنہ سر اور بے پردہ گھر سے نکالا اور میرا مال لوٹ لیا اور مکانات برباد کردیئے

يعز على هارون ما قد لقيته — وما مر بي من ناقص الخلق اعور

اس ایک چشم ناقص الخلقت کے ہاتھ سے جو مجھپر گذرا ہارون ہوتا تو اسپر گراں گذرتا۔

فان كان ما اسدى بامر امرته — صبرت لامر من مقدر

طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا تو خدا کے مقدر پر میں صبر کرتی ہوں

مامون یہ اشعار پڑھکر رویا کہا کہ "واللہ میں خود اپنے بھائی کے خون کا عوض لونگا۔

---

[1] مامون الرشید کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے ابن واضح کاتب عباسی جو مامون الرشید سے قریب زمانہ میں تھا اس نے اپنی تاریخ میں مامون کی خلافت مستقل کا اسی تاریخ سے حساب کیا ہی اور نجوم کے قاعدہ کے موافق مسند نشینی کا ایک زائچہ نقل کیا ہی چونکہ میں نجوم کی اصطلاحات سے بخوبی واقف نہیں ہوں اسکے علاوہ زمانہ نے اس علم کی طرف سے خیالات بھی بدل دیئے ہیں میں نے اس زائچہ کو نقل نہیں کیا [2] ان اشعار کو ابن الاثیر نے خزیمہ بن الحسن کی طرف منسوب کیا ہے

عموماً مامون پر بیعت کی۔ امین کا قتل ۲۵ محرم کو واقع ہوا۔ ۲۸ برس کی عمر تھی ۴ برس ۷ مہینے ۸ ادن خلافت
کی۔ موزوں اندام، کشیدہ قامت۔ نہایت خوبرو اور قوی تن تھا۔ کسائی سے فن نحو وادب کی تکمیل کی تھی
نہایت فصیح و بلیغ اور سخن سنج تھا۔ **لطیفہ** امین کو بچپن سے شعر گوئی کا ذوق تھا زبیدہ خاتون نے
ابو نواس سے کہہ دیا تھا کہ امین کے اشعار بنظر اصلاح دیکھ لیا کرے۔ ایکدن امین نے زبیدہ کے سامنے
ابو نواس کو کچھ اشعار جو اس نے حال ہی میں لکھے تھے بغرض اصلاح سنائے مگر جب ابو نواس نے اُن میں
عروض کے متعلق چند غلطیاں بتائیں تو وہ نہایت غصہ ہوا اور اسی جرم میں اُسکو قید کر دیا۔ چند روز کے
بعد جب ہارون الرشید کو خبر ہوئی تو امین پر خفا ہوا اور ابو نواس کو قید سے رہائی دی اس کے بعد ایک
موقع پر ہارون نے امین سے کہا کہ اپنے تازہ خیالات ابو نواس کو سنائے۔ امین نے دو ہی تین شعر پڑھے
ہونگے کہ ابو نواس اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہارون نے پوچھا "کیوں کہاں چلے" ابو نواس نے کہا "پھر قید خانہ"
امین میں جہاں سینکڑوں بُرائیاں تھیں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ علم دوست تھا فیاض تھا اسی
کے ساتھ صاحب کمال اور پایہ شناس سخن تھا۔ ہزاروں اہل کرم اس کے خوان کرم سے فیضیاب تھے عام
ملک پر شاید اسکا قتل اتنا گراں نہ گذرا ہو مگر جن لوگوں نے خود اُسکے اوج و حشم ناز و نعمت و شان و شوکت
کا دلفریب تماشا دیکھا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا شعرا نے جس دردناک لہجہ میں اسکا
مرثیہ لکھا کون ایسا سنگدل ہے جو اُسکو سنکر ضبط کا دعوی کر سکتا ہے۔ ابو عیسٰے کے دو شعر کس دل سے نکلے ہونگے
کہ نشتر کا کام دیتے ہیں۔

لست ادری کیف ابکیک ولا کیف اقول	لم تطب نفسی اسمیک قتیلاً یا قتیل
میں نہیں جانتا تجھ پر کیونکر روؤں اور کیا کہکر روؤں	اے مقتول دلکو گوارا نہیں کہ تجھکو مقتول کہوں

ایک شاعر نے لکھا ہے

سالت الندی والجود مالی اراکما
تبدلتما عزا بذل موبد
و مالی اری بیت المکارم واھیا
فقالا اصبنا بالامین محمد فقلت
فھلا متما بعد فقدہ وقد
کنتما ندمیۃ فی کل مشھد فقالا
اقمنا کی لنعزی بفقدہ صبیحۃ

میںنے جود و کرم سے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے میں تمکو دیکھتا ہوں
کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدلدی اور یہ کیا
بات ہے کہ میں عزت و امارت کو متزلزل دیکھتا ہوں
دونوں نے جواب دیا کہ ہم پر محمد امین کے مرنیکی مصیبت
پڑی ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اسکے مرنیکے
بعد کیوں نہ مر گئے۔ اور تم تو ہر موقع پر اس کے ندیم
رہتے تھے دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس لئے بیٹھے گئے کہ اسکے

امین کے قتل کے بعد ۲۶ محرم ۱۹۸ھ ہفتہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون کیلیئے بیعت کی اسکی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ مامون نے گو عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہوگیا تھا کہ خلافت بھی درحقیقت اُسی کے پنجۂ اختیار میں تھی انتظامات ملکی کی جو ابتدا ہوئی وہ اسیوجہ سے ناموزون طریقہ پر ہوئی کہ فضل نے تمام ملک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہا۔ طاہر جس نے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اُس کی یہ قدردانی کی کہ اُسکے تمام ممالک منقولہ یعنی کور الجبال۔ فارس۔ اہواز بصرہ۔ کوفہ۔ یمن وغیرہ کی حکومت حسن ابن سہل کو عنایت کی جو فضل کا حقیقی بھائی تھا طاہر نصر بن سیار کے مقابلہ پر مامور ہوا جو امین کے ہوا خواہوں میں تھا اور شام کے اطراف میں بغاوت ظاہر کی تھی ۱۹۹ھ میں حسن بغداد میں داخل ہوا اور ہر شہر و صوبے پر اپنی طرف سے عمال و نائب مقرر کرکے بھیجے۔ عرب کا گروہ جو دربار میں ایک قوت رکھتا تھا ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف مقابل تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں خاندان برامکہ کی بربادی کے باعث اصلی یہی لوگ ہوئے تھے۔ اب مامون کے زمانہ میں بھی یہ باتیں ان کو نہایت اندیشہ دلاتی تھیں کہ عجم پھر دوبارہ محیط نہو جائیں کیونکہ فضل بن سہل حقیقی بھائی اور عجمی الاصل تھے جسقدر ان دونوں بھائیوں کا رسوخ بڑھتا گیا بنو ہاشم اور افسران فوج زیادہ بے دل ہوتے گئے۔ لوگوں میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ فضل مامون کے حضور میں کسی شخص کو حتیٰ کہ خاندان شاہی کے لوگونکو بھی باریاب نہیں ہونے دیتا۔ مامون خود پردے میں رہتا ہے اور انتظامات ملکی عموماً فضل کے ہاتھ سے انجام پاتے ہیں۔ چونکہ مامون ماں کی طرف سے عجمی الاصل تھا یہ بدگمانی کہ رفتہ رفتہ اہل عجم سپید و سیاہ کے مالک ہو جاوینگے زیادہ قوی ہوتی گئی اور بالآخر اسکی باعث ہوئی کہ اطراف ملک میں جابجا بغاوت کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

ابن طباطبا کا خروج ۱۹۹ھ

ملک میں جو یہ برہمی پیدا ہوئی تو سادات اور علویین کے خیالات خلافت تازہ ہو گئے اول جس شخص نے علم خلافت بلند کیا وہ ابو عبداللہ محمد تھے جو ابن طباطبا کے لقب سے مشہور تھے اگرچہ ان کا علو نسب اور تقدس مرجع عوام بننے کے لیئے کافی تھا۔ مگر ملکی نظم و نسق کیلیئے ایک مدبر کی ضرورت تھی ابو السرایا کی شرکت سے پولٹیکل بازو بھی قوی ہو گیا یہ شخص اگرچہ ابتدائے حال میں ایک نہایت ذلیل آدمی تھا اور کرایہ کے گدہوں سے زندگی بسر کرتا تھا لیکن چونکہ شجاعت کا جوہر رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے بڑا اقتدار حاصل کیا۔ امین کے قتل کے بعد ایک مدت تک غارتگری کرتا رہا عین التمر و دقوقا انبار پر چڑھ گیا۔ عاملونکو شکستیں دیں اور خزانے لوٹ لیئے رقہ پہنچا تو یہی ابن طباطبا ملے جو خلافت کے دعویدار بنکر اُٹھے تھے ابو السرایا کو بھی شغلہ ہاتھ آیا اس نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اُن سے کہا کہ آپ دریا کی راہ سے کوفہ کی طرف بڑھیئے میں بھی خشکی کی راہ سے آتا ہوں

ہولیا۔ اطراف سے جوق جوق لوگ آئے اور ابن طباطبا کے ہاتھ پر بیعت کی۔

۱۹۹ھ میں حسن بن سہل نے زہیر بن المسیب کو دس ہزار کی جمعیت سے ابن طباطبا کے مقابلے پر بھیجا قریہ شاہی میں دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں زہیر کو شکست ہوئی اور ابوالسرایا کے حکم سے جس قدر نقد اسباب زہیر کی فوج میں تھا لوٹ لیا گیا۔ ابن طباطبا نے یہ بیرحمی پسند نہ کی اور لوگوں کو غارت گری سے منع کیا ابوالسرایا نے یہ دیکھ کر کہ ان کے ہوتے میری آزادی میں فرق آتا ہے دوسرے دن ابن طباطبا کو زہر دلوا دیا اور برائے نام ایک کمسن لڑکے کو جو آل ہاشم ہونے کی حیثیت سے ابن طباطبا کا ہم پلہ تھا خلیفہ قرار دیا اور خلیفہ کا نام محمد بن محمد زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب تھا۔ اب حسن بن سہل نے عبدوس کو چار ہزار سوار کے ساتھ اس مہم پر بھیجا مگر بدقسمتی سے اس معرکہ میں بھی جو ۱۷ رجب کو واقع ہوا شاہی فوج ناکام رہی۔ عبدوس خود مقتول ہوا۔ اور باقی اہل لشکر لڑائی میں مارے گئے کچھ زندہ گرفتار ہوئے اس فتح نمایاں کے بعد ابوالسرایا نے کوفہ میں اپنا سکہ و خطبہ جاری کیا اور بصرہ واسطہ اہواز یمن فارس مدائن پر فوج و افسر بھیجے جو اکثر کامیاب ہوئے یہ تمام افسر بنو فاطمہ یا جعفری تھے اور چونکہ خاندانی عزت کے ساتھ ان کی ذاتی شجاعت بھی مسلم تھی آسانی سے اُن کو فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔

حسن بن سہل کو اب سخت مشکل کا سامنا تھا جتنے نامور افسر تھے سب نے ابوالسرایا کے مقابلے میں شکست کھائی یا عین معرکہ جنگ میں لڑکر مارے گئے طاہر ذوالیمینین و ہرثمہ ابن یمین صرف دو ایسے جنرل تھے جو ابوالسرایا کا زور گھٹا سکتے تھے مگر طاہر نصر سے شکست کھا کر رقہ میں گویا محصور تھا اور ہرثمہ خود حسن سے ناراض ہو کر خراسان کو روانہ ہو چکا تھا حسن کو ہرثمہ سے طالب اعانت ہونا اگرچہ موجب عار تھا اسکے علاوہ یہ بھی اطمینان نہ تھا کہ وہ اس درخواست کو منظور کریگا۔ تاہم مجبوری ایسی آن پڑی تھی کہ ہرثمہ سے اعانت مانگتے ہی بنی۔ ہرثمہ خراسان سے واپس پھرا اور کوفہ کو روانہ ہوا قصر بن ہبیرہ کے قریب ابوالسرایا سے مقابلہ ہوا ہرثمہ نے فتح قطعی حاصل کی ابوالسرایا بھاگتا ہوا کوفہ کو پہنچا۔ سادات یا علویین جو اُسکے ساتھ تھے ہرثمہ سے شکست کھا کر انتقام کے جوش سے لبریز تھے کوفہ میں جسقدر آل عباس اور اُنکے خدام و حشم تھے سب کے مکانات آگ لگا کر برباد اور جاگیریں لوٹ لیں اور دل کھولکر غارت گری کی ہرثمہ نے ایک مدت تک کوفہ کو محاصرہ میں قائم رکھا۔ بالآخر ۱۶ محرم سنہ ۲۰۰ھ کو ابوالسرایا کوفہ چھوڑکر بھاگ گیا۔ اور سوس کے مضافات میں خوزستان ایک مقام میں ٹھیرا حسن بن علی مامونی جو اس علاقہ کا عامل تھا اور اس زمانہ میں وہاں موجود تھا۔ یہ خبر سنکر خوزستان کو واپس آیا چونکہ وہ خونریزی سے پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ ابوالسرایا کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا علاقہ چھوڑ کر جدھر چاہو چلے جاؤ غالباً ابوالسرایا نے اس درخواست کو دلیل عجز قرار دیا اور کہلا بھیجا کہ "میں نے جس حق سے اس مقام پر قبضہ حاصل کیا ہے اسکی شہادت تلوار دے سکتی ہے" لیکن جب لڑائی کی نوبت آئی تو فیصلہ جنگ ابوالسرایا کے خلاف تمام فوج غارت گئی اور وہ خود بھی زخمی ہو کر گھر کی طرف چلا۔ راہ میں بمقام جلولا گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ یہ فتنہ

میں جو ظلم و زیادتیاں کیں ان کے بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیئے زید نے (حضرت موسیٰ کاظم کے فرزند تھے)
بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی سیکڑوں خاندان تباہ کردیئے۔ عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلائے
حسین بن الحسن نے مکہ معظمہ کا وقفی خزانہ لوٹ لیا محمد بن جعفر صادق کی حکومت میں چند روز کیلئے عرب کے
فرمانروا بن گئے تھے علویین اور آل فاطمہ کو وہ زور ہوگیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اُٹھا دیا گیا! ابراہیم
بن موسیٰ یمن کے عامل تھے اور سفاکانہ قتل و غارت کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے مامون نے چاہا کہ صلح و
آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہوسکتے تھے لڑے اور شکست کھائی بعض گرفتار ہوکر مامون
کے پاس حاضر کیئے گئے مگر اس نے عظمت نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا۔ خاندان عباسیہ پر عموماً سادات کے قتل کا
الزام لگایا جاتا ہے جو لوگ حجروں میں بیٹھکر اعتراض کے لئے قلم اُٹھاتے ہیں وہ معذور ہیں۔ لیکن جو شخص پولیٹکل
ضرورتوں کا اندازہ دان ہے اس اعتراض کو مشکل سے تسلیم کریگا۔ سادات اور علویین کو دو دن کیلئے زور ہوگیا
تو ملک میں کیا قیامت برپا ہوگئی! عباسی خاندان ان کی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا اور جو کچھ ان سے
برتاؤ ہوا اسی ضرورت سے ہوا؛

ہرثمہ کا قتل اور بغداد کی بغاوت ۲۰۱ھ

سادات اور علویین کی بغاوتیں تو فرو ہوگئیں لیکن ملک میں جو عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی وہ روز بروز زیادہ ہوتی
جاتی تھی۔ عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراسان کا دارالخلافہ ہونا گوارا نہیں کرسکتا تھا اس سے
زیادہ یہ کہ وزارت اعظم اور گورنری کے معزز منصب پر فضل و حسن ممتاز تھے جو مجوسی النسل تھے۔ اہل عرب کو
صاف نظر آرہا تھا کہ تمام اسلامی دنیا اور خود عرب پارسی نسلوں کے ہاتھ میں ہے مامون اسوقت تک حکومت
کی حیثیت سے گو بالکل معطل تھا سیاہ و سفید کا مالک فضل تھا اور اس نے دانستہ خراسان کو بغداد پر ترجیح
دی تھی۔ کیونکہ ایک عجمی الاصل کو عرب کے مجمع میں اپنا زور قائم رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا ملک میں جو کچھ برہمی
پھیلی تھی لیکن فضل نے مامون کو ان حالات کی خبر تک نہونے دی۔ مامون کے کانوں میں یہ صدا جہاں سے
پہنچی تھی وہ فضل کی صدا تھی۔

افسران فوج میں ہرثمہ ایک نامور اور مشہور افسر تھا۔ سادات اور علویین کی پُرزور بغاوتوں کا جس نے
خاتمہ کردیا وہ بھی ہرثمہ تھا۔ خلافت عباسیہ پر اُسکے اور بہت سے حقوق تھے جن کے اعتماد پر اُس نے یہ جرأت کی
کہ مامون کے پاس حاضر ہوکر فضل کی سازشوں کا طلسم توڑ دے۔ ابوالسرایا کی بغاوت سے فارغ ہوکر
اُس نے خراسان کا ارادہ کیا فضل نے یہ خبر سنی تو مامون کے متعدد فرمان اُسکے نام بھجوائے کہ یہاں کچھ ضرورت
نہیں شام و حجاز انتظام طلب ہیں۔ اُدھر کا قصد کرو۔ مگر ہرثمہ نے جس کو اپنے حقوق خدمت پر ناز تھا ان احکام
کا کچھ لحاظ نہ کیا اور سیدھا خراسان کو چلا۔ فضل نے مامون سے کہا حضور نے دیکھا! ہرثمہ کو احکام سلطان

درباریوں سے پوچھا کیا غل ہے لوگوں نے کہا ہرثمہ گرجتا آرہا ہے[1] ہرثمہ دربار میں حاضر ہوا تو مامون نے نہایت ذلت سے نکلوادیا اور حکم دیا کہ قید رکھا جائے۔ چند روز کے بعد اُسکو فضل نے قتل کرادیا اور مامون سے کہدیا کہ اپنی موت سے مرگیا۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر بغداد میں پہونچی تو ایک طلاطم مچ گیا۔ محلہ حربیہ والوں نے پہلے ہی سے علم بغاوت بلند کیا تھا اور مامون کے عمال وحکام برطرف کردیئے تھے۔ اس شورش انگیز خبر نے سارے شہر میں اور ایک نئی ہل چل ڈالدی۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنا اور تمام بغداد نے اسکی اطاعت قبول کی۔ حسن جو مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا واسطہ میں مقیم تھا محمد بن ابی خالد اسکے مقابلہ کے لئے سنہ ۲۰۱ھ میں بغداد سے روانہ ہوا راہ میں حسن کی متعدد فوجیں مقابل ہوئیں اور شکست کھاگئیں محمد دیر العاقول پہونچا۔ اور زہیر ابن المسیب کو جو حسن کا عامل تھا گرفتار کرکے پابزنجیر بغداد بھیجدیا ہارون کے بیٹے نے مضافات نیل پر فتح حاصل کی۔ ان فتوحات کے بعد دونوں باپ بیٹے واسطہ کی طرف بڑھے حسن نے بھی ایک عظیم الشان فوج اُنکے مقابلہ کو روانہ کی ۲۳ ربیع الاول سنہ ۲۰۱ھ میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں ایک نہایت سخت جنگ کے بعد محمد بن ابی خالد نے شکست کھائی۔ میدان جنگ میں ثابت قدم رہکر بہت سے کاری زخم اٹھائے اسلئے مجبوراً بغداد کی طرف اُلٹا پھرا۔ حسن برابر تعاقب کرتا آیا۔ محمد بن ابی خالد کے زخم شدت پکڑتے گئے۔ اور بالآخر بغداد پہونچکر انتقال کیا۔ محمد کا فرزند عیسیٰ باپ کا جانشین بنا اور اہل بغداد کو لکھا کہ وہ اگر میرا باپ نہیں رہا تو میں اسکا نعم البدل موجود ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو بغداد کو حسن کی حکومت سے آزاد کردونگا تمام بغداد نے نہایت خوشی سے اس کی حکومت تسلیم کی اگرچہ حسن کی قاہر فوجوں نے عیسیٰ اور اُس کے بھائی ابو زنبیل کو فاش شکستیں دیں لیکن یہ پُرجوش صدا کہ وہ مجوسی زادہ ہم پر حکومت نہیں کرسکتا پست نہ ہوئی۔

حضرت علی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی ۲ رمضان المبارک سنہ ۲۰۱ھ

یہاں یہ ہنگامے برپا تھے مگر مامون ایسی غفلت کی نیند پڑا سوتا تھا کہ اُسکے کان پر جوں نہ چلی ذوالریاستین تمام دربار پر اس طرح محیط ہوگیا تھا کہ اُس کے خلاف کوئی خبر مامون تک نہیں پہونچ سکتی تھی۔ اب اُس نے ایک نئے انتظام سے خاندان عباس کو اور بھی زیادہ برہم کردیا۔ مامون کو بالطبع آل پیغمبر سے نہایت محبت تھی جسکا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تمام پُرزور بغاوتیں جو اس کے عہد میں ہوئیں اسی مقدس خاندان کی افسری میں ہوئیں۔ تاہم اس نے ہمیشہ درگذر کی اور قابو پانے پر بھی ان کی عظمت نسب کا لحاظ رکھا۔

اس زمانہ میں حضرت رضا امام ہشتم موجود تھے جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد وتقدس کے علاوہ اُنکا فضل وکمال بھی خلافت کے شایان تھا۔ مامون نے ان کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہا اس سے پہلے سنہ ۲۰۰ھ میں اُس نے فرامین بھیجے کہ تمام ممالک میں جسقدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں آستانۂ خلافت میں حاضر ہوں

---

[1] ابن واضح عباسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہرثمہ نے نہایت گستاخانہ طور پر مامون سے گفتگو شروع کی اور کہا آپ

کے مختلف حصوں میں بیٹھے ہوئے تھے - مامون نے بڑی عزت سے انکا استقبال کیا اور عباسی نسلیں پورے
برس دن حریم خلافت کی مہمان رہیں - اس اثنا میں مامون نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربہ امتحان کی
نگاہ سے دیکھا اور یہ قطعی رائے قائم کر لی کہ اس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بارگراں سنبھال
لے - اب سنہ ۲۰۱ھ میں اُس نے ایک دربار جسمیں تمام اعیان سلطنت وارکین دربار موجود تھے منعقد کیا
اور سب سے خطاب کر کے کہا کہ آج دنیا میں جسقدر آل عباس ہیں انکی لیاقت کا صحیح اندازہ کر چکا ہوں نہ اُن میں آل
نبی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے"
اسکے بعد اُس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کیلئے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز
قرار دیا جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا فوجی وردی بدل دیگئی - تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے
کہ "امیر المومنین مامون کے بعد حضرت علی رضا تاج و تخت کے مالک ہیں اور اُنکا لقب الرضا من آل محمد ہے"
حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ اُنکے لئے بیعت عام لیجائے اور عموماً اہل فوج و بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے
اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کریں اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہلچل ڈالدی اور
مامون سے مخالفت کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا - بعضوں نے بجبر اُسکے حکم کی تعمیل کی مگر عام صدا یہی تھی
کہ خلافت خاندان عباس کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتی؛

ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی۔ یکم محرم الحرام سنہ ۲۰۲ ہجری

جس زمانہ میں حضرت علی رضا کی ولیعہدی کے احکام بغداد میں پہنچے عباسیوں نے اُسی وقت سے
ایک نئے خلیفہ کی تجویز شروع کی ۲۵ - ذی الحجہ روز سہ شنبہ سنہ ۲۰۱ھ میں خاص آل عباس نے خفیہ طور پر ابراہیم بن المہدی
کے ہاتھ پر جو مامون الرشید کے چچا تھے بیعت کی - پھر دو شخص مقرر کئے کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے ایک شخص
بخطاب عام کہے کہ "مامون کے بعد ابراہیم کو ولیعہد خلافت قرار دینا چاہتے ہیں" دوسرا برابر سے بولے کہ مامون
تو معزول ہو چکا خلیفہ وقت ابراہیم ہے اور ولیعہد خلافت اسحق بن الہادی - غالباً اس طریقے سے عباسیوں نے رضامندی
عام کا اندازہ کرنا چاہا مگر ان کو خلاف توقع یہ معلوم ہوا کہ ملک اگر مامون کے خلاف ہے تو ابراہیم کے ساتھ بھی عام لوگوں کو
ہمدردی نہیں ہے - چنانچہ جب یہ دونوں شخص سکھائے ہوئے فقرے کہکر بیٹھ گئے تو لوگوں نے کچھ جواب نہ دیا اور یہی
برہمی ہوئی کہ لوگوں نے نماز بھی نہیں پڑھی اور مسجد سے چلے گئے - تاہم سندی و صالح کی کوشش نے ابراہیم کو منصب
خلافت پر پہنچایا اور یکم محرم سنہ ۲۰۱ھ کو عموماً اہل بغداد نے بیعت خلافت کی - ابراہیم نے اپنا لقب "مبارک" اختیار کیا
اس زمانہ میں قصر ابن ہبیرہ پر حسن بن سہل کی طرف سے حمید بن الحمید مامور تھا اگرچہ حسن کا دل سے طرفدار تھا مگر
اُسکے ساتھ جتنے افسر تھے خصوصاً سعید و ابو البط ابراہیم سے مل گئے - ان لوگوں نے ادھر تو حسن کے پاس خطوط

بن ہبیرہ پر قبضہ حاصل کیا۔ اور حمید کا اسباب و خزانہ جسمیں نقد کی قسم سے سو توڑے تھے غارت عام میں آیا۔ حمید نے یہ خبر سنی تو کوفہ واپس آیا۔ یہاں حضرت علی رضا علیہ السلام کے بھائی عباس تشریف رکھتے تھے۔ حمید نے اُنکو بلایا اور کہا کہ آپ اپنے بھائی کی طرف سے کوفہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں تو تمام کوفہ آپکے ساتھ ہوگا اور میں تو جان نثاری کے لئے حاضر ہوں۔ حمید نے لاکھ درہم بھی ان کی نذر کئے اس کے بعد وہ حسن کے پاس چلا گیا۔ کوفہ کے اکثر لوگوں نے حسن کا ساتھ دیا۔ مگر جن لوگونکو شیعہ پن میں زیادہ غلو تھا اُنہوں نے حسن سے کہا کہ "حضرت علی رضا کی خلافت مستقل مان کر بیعت لیجاوے تو ہم بدل موجود ہیں۔ لیکن بیچ میں مامون کا واسطہ ہوگا تو ہم سے امید نہ رکھنی چاہیئے" چونکہ انکی یہ خواہش حسن نے منظور نہ کی یہ لوگ ناراض اُٹھے اور بالکل بے تعلق ہوکر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے ✦

ابراہیم نے اپنے نئے دشمن عباس کے مقابلہ کیلئے سعید و ابوالبط کو متعین کیا جنھوں نے حال میں اپنی کارگذاری دکھائی تھی کہ ابراہیم کے نائب کو قصر بن ہبیرہ پر قبضہ دلادیا تھا یہ دونوں افسر قریہ شاہی میں پہونچے تو عباس نے اپنے چچیرے بھائی علی بن محمد کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا دوسری جمادی الاول ۲۰۲ھ کو دونوں حریف معرکہ آرا ہوئے علی بن محمد نے ذرا دیر لڑکر شکست کھائی۔ اب ابوالبط و سعید کوفہ پر حملہ آور ہوئے آل عباس جو یہاں موجود تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ یہ لوگ حملہ کرتے ہوئے ابراہیم کی جے پکارتے تھے اور نعرے مارتے تھے کہ "مامون کی حکومت نہیں رہی" تمام دن لڑائی قائم رہی تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا اور دوسرے دن کی نوبت آئی۔ چونکہ فریقین کا یہ حال تھا کہ جس شہر کے حصہ پر فتح پائی آگ لگاکر غارت کر دیا۔ روساء کوفہ سعید کے پاس حاضر ہوئے اور اس شرط پر امان طلب کی کہ عباس اپنے ساتھیوں کو لیکر کوفہ سے چلے جائیں۔ فریقین نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور کوفہ دونوں دعویداروں سے خالی ہوگیا۔ کیونکہ اس عہد کے بعد سعید بھی حیرۃ کو واپس چلا گیا کوفہ و اطراف کوفہ میں ابراہیم کی حکومت مسلم ہوگئی۔ لیکن یہ فتحیں خلافت کا قطعی فیصلہ کرنیوالی نہ تھیں کیونکہ ہنوز واسط میں حسن بن سہل ایک فوج گراں کے ساتھ موجود تھا۔ ابراہیم نے اس بڑی مہم کیلئے عیسیٰ کو انتخاب کیا۔ ابن عائشہ ہاشمی و نعیم بن خازم کو بھی حکم ہوا کہ عیسیٰ کے ہمراہ جائیں۔ راہ میں سعید و ابوالبط بھی جو کوفہ کی فتح سے آتے تھے ساتھ ہوئے غرض بیشمار لشکر واسط کے قریب نام صبادہ میں صف آرا ہوا حسن بن سہل قلعہ بند ہوا عیسیٰ چندبار حملے کی غرض سے حسن کے لشکرگاہ کی طرف گیا مگر اس نے بالکل خاموشی اختیار کی تھی اور حکم دیدیا تھا کہ لشکر کا کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے۔ غالباً اس مدت میں اس نے عیسیٰ کی قوت کا اندازہ کیا بالآخر ۲۶ رجب کو فوج اُس کے حکم سے عیسیٰ پر حملہ آور ہوئی۔ صبح سے دوپہر تک قیامت انگیز معرکہ رہا عیسیٰ نے شکست کھائی اور لڑنا یا ہوچکا دم لیا ✦

مامون کا عراق روانہ ہونا اور ذوالریاستین کا قتل ۲۰۲ھ

مامون جس تاریخ سے تخت نشین ہوا تھا۔ ایک دن بھی خونریزیوں سے خالی نہ گیا تاہم اس کو بالکل نہ معلوم ہو سکا

... کو ادا کیا انھوں نے مامون سے کہا کہ "امین کے قتل کے بعد ایک دن بھی ملک
کو امن نصیب نہیں ہوا۔ رات دن خونریز لڑائیاں قائم ہیں اور اہل بغداد نے ابراہیم کو خلیفہ قرار دیلیا ہے"
یہ بالکل ایک نئی اور غیر مانوس صدا تھی۔ مامون دفعۃً چونک پڑا اور جیسا کہ ذوالریاستین نے اسکو یقین کرادیا تھا
اُس نے تعجب اور انکار کے ساتھ کہا کہ نہیں ابراہیم خلیفہ نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں نے انتظاماً اس کو نائب الریاست
بنا رکھا ہے۔ حضرت علی رضا نے فرمایا کہ "ذوالریاستین نے ملک کے اصلی واقعات آپکی نظر سے چھپا دیئے اور اب
جو کچھ آپ کہتے ہیں اُسی کی زبان سے کہتے ہیں۔ ابراہیم جسکو آپ نائب الریاست سمجھ رہے ہیں حسن بن سہل سے
لڑ رہا ہے اور آل عباس میں عموماً ذوالریاستین کی وزارت اور میری ولیعہدی پر نہایت مخالفانہ جوش پھیلا ہوا ہے"
(مامون) دربار میں کوئی اور شخص بھی ان حالات سے واقف ہے
(علی رضا علیہ السلام) ہاں "یحییٰ ابن معاذ۔ عبدالعزیز بن عمران اور بہت سے افسر"
مامون نے ان لوگونکو بلاکر پوچھا کہ جو کچھ علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں تم اسکی نسبت کیا جانتے ہو۔ ذوالریاستین
کے ڈر سے کسی کو شہادت دینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی مگر جب مامون نے خود ذمہ داری کی کہ ذوالریاستین
ان کو کچھ ضرر نہ پہونچا سکے گا اور اس مضمون کی ایک دستاویز بھی اپنے ہاتھ سے لکھدی تو لوگوں نے پوست کندہ
حالات بیان کر دیئے اور کہا کہ ہرثمہ انھیں باتوں کے عرض کرنیکے لئے حضور میں حاضر ہوا تھا مگر ذوالریاستین نے
ایسے جان نثار کو حضور کی نگاہ میں دشمن بنا دیا۔ اور اس کی تمام امیدیں خاک میں ملا دیں۔ ان لوگوں نے مامون کو
یہ بھی جتا دیا کہ اگر جلد تلافی نہ کیگئی تو بنیاد خلافت متزلزل ہونے میں کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے
اپنی شہادت میں یہ بھی رائے دی تھی کہ حضور کا دارالخلافہ میں تشریف رکھنا ان سب مشکلونکو حل کر دیگا۔
مامون نے بغداد کا قصد کیا۔ ذوالریاستین کو اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو اس نے بآسانی معلوم کر لیا کہ
مامون کے کان میں کوئی نئی صدا پڑی ہے اس نے تمام افسروں کے نام بھی تحقیق کر لئے اور حضرت علی رضا کے
سوا (جن پر اس کا قابو نہیں چل سکتا تھا یا پاس ادب مانع تھا) باقی ہر ایک کو مختلف قسم کی اذیتیں پہونچائیں۔ کسی کو
کوڑے پٹوائے کسی کی ڈاڑھی اُکھڑوائی۔ اس پر بھی مامون ذوالریاستین سے کچھ باز پُرس نہ کر سکا اور جب
حضرت رضا نے اس کا تذکرہ کیا تو مامون نے نرمی سے جواب دیا کہ میں غافل نہیں ہوں مگر تدبیر مناسب سے کام
لینا چاہتا ہوں۔ مامون جب سرخس پہونچا تو چند آدمیوں نے جن کا پیشوا غالب مسعودی تھا حمام میں پہونچکر
جمعرات کے دن ۲ شعبان سنہ ۲۰۲ھ کو ذوالریاستین کو قتل کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے جو لوگ ذوالریاستین کے قتل
میں شریک تھے سب مختلف اور دور دور ملکوں کے رہنے والے تھے یعنی قسطنطین رومی کا۔ فرج دیلم کا موفق صقلیہ کا۔
مامون نے اشتہار دیا کہ جو شخص قاتلونکو گرفتار کر کے لائے اسکو دس ہزار اشرفیاں انعام میں ملیں گی۔
عباس بن الہیثم نے یہ انعام حاصل کیا۔ جب یہ لوگ مامون کے پاس حاضر کئے گئے اور پوچھا گیا کہ کس کے ایماء
سے تم نے ایسا کیا تو سب نے خود مامون کا نام لیا اور اس بیباکی پر یا اصل جرم کی پاداش میں مامون کے حکم سے قتل

شہادت دیتے رہے تھے کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایماء سے ہوا

سے اس یقین کو شبہ سے بدل دیا۔ قاتلوں کے سر حسن بن سہل کے پاس بھجوائے اور نامہ تعزیت میں بہت کچھ رنج وغم ظاہر کیا اور لکھا کہ تم اپنے بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کیئے گئے۔ ذوالریاستین کی ماں کے پاس برسم تعزیت گیا اور تسلی دیکر کہا کہ "آپ صبر کریں بجائے ذوالریاستین کے میں آپکا مطیع فرزند موجود ہوں" ان موثر فقروں نے اُس کو اور بھی بیتاب کر دیا۔ اور رو کر کہا کہ "ایسے بیٹے کا کیوں غم نہ کروں جس نے میرے لئے تم سا فرزند چھوڑا"۔ ذوالریاستین کے قتل کے تھوڑے دن بعد اُسکے باپ سہل نے بھی وفات پائی۔ اسی زمانہ میں مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی سے شادی کی ان کارروائیوں سے گو مامون کی گردن ذوالریاستین کے خون سے ہلکی نہ ہوئی تھی تاہم عام خلقت کی نگاہ بہت کچھ بدل گئی اور کم سے کم اتنی بات ضرور ثابت ہو گئی کہ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ تھا۔ ورنہ ذوالریاستین کے عام احسانات کو اُس نے فراموش نہیں کیا ہے اور اُسکے خاندان کے ساتھ اب بھی اس کو وہی ہمدردی ہے جو پہلے تھی۔ ذوالریاستین کی موت نے یوں تو اُس کے تمام خاندان کو نہایت صدمہ پہونچایا مگر اس کے بھائی حسن نے اس واقعہ کے بعد ایک دن بھی رونے پیٹنے سے نجات نہ پائی اور بالآخر اسی صدمہ نے اُس کو مختل الحواس کر دیا۔ ۲۰۳ھ میں اس کے ہوش بالکل درست نہیں رہے تو احتیاط کیلئے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں۔ مامون نے اس کی جگہ احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا یاد رکھنا چاہیئے کہ مامون کی مستقل خلافت کا زمانہ دراصل فضل کے قتل ہونیکے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات آخر صفر ۲۰۳ھ

اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بھی مامون کے ساتھ تھے طوس پہونچکر دفعتًہ انتقال فرمایا کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہارون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تھا حضرت علی رضا نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہارون الرشید کی قبر اُکھڑوا کر حضرت علی رضا بھی اسی میں دفن کیئے جائیں۔ جس سے مقصود یہ تھا کہ ہارون الرشید بھی حضرت علی رضا کی برکت سے مستفید ہو۔ مامون کو حضرت علی رضا کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا اور رو رو کر کہتا تھا "اے ابو الحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں۔ تین دن تک قبر پر مجاور رہا اور صرف ایک روٹی اور نمک روزانہ اس کی خوراک رہی [1]

اسپر دعبل ایک شاعر نے جو اہلبیت کا مداح اور خلفائے بنی عباس کا نہایت دشمن تھا ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ماینفع الرجس من قرب الذکی ولا ... علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

(یعنی) ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہونچتا۔ اور نہ پاک کا اس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے"

---

[1] ابن واضح عباسی نے یہ واقعہ خود اُس شخص سے روایت کیا جو حضرت علی رضا کی تجہیز و تکفین میں شریک تھا۔

... افسوس ہے کہ ہمکو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصل کر سکتے تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جنکو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے۔ سنیوں کی ہی تصنیفیں ہیں اور بظاہر انمیں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو انھیں کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ جہانتک ہمکو معلوم ہے ایک مورخ نے بھی مامون پر الزام لگانے کی جرأت نہیں کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظوں میں اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے۔ ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے یہ مصنف مامون ... کے زمانہ کے واقعات ان لوگونکی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے۔ ہم اس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں تاہم اُس نے مامون کے بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑیگا۔ مامون نے حضرت علی رضا کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تو اس سے اُسکو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ اُن سے حکومت عباسیہ کو خطرہ کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے۔ مامون کو اہل بیت کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طرز عمل سادات کے ساتھ کیا رہا اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضا کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے یہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتادے گا کہ مامون پر یہ غلط اتہام ہے .... بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضا کی ولیعہدی سے ناراض تھے انھیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی حضرت علی رضا ائمہ اثنا عشر میں ہیں اور حضرت موسیٰ کاظم کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۵۳ھ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے بڑے عالم اور اتقیائے روزگار میں سے تھے۔ مامون کیلئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ ابونواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں انکی شان میں دو شعر بھی نہ لکھے اُس نے جواب دیا کہ انکا پایۂ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضا کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا مامون نے بغداد کے لوگونکو ایک خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو؟ مگر مامون کو خلاف توقع اپنی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا۔

ابراہیم کی معزولی ۲۰۳ ہجری

مامون جس زمانہ میں بغداد کو روانہ ہوا تھا تو ابراہیم مدائن میں موجود تھا اور عیسیٰ بن محمد و مطلب بن عبداللہ افسران فوج اُسکے ساتھ تھے یہ لوگ اسوقت تک اگرچہ بظاہر ثابت قدم رہے مگر غالباً اس بات کا سب کو یقین

و حمید کو بھی لکھا کہ بغداد پہنچے اور۔ ابراہیم کو یہ حالات معلوم ہوئے تو مدائن سے روانہ ہو کر [illegible] بغداد
پہونچا اور جن لوگوں نے مامون کیلئے بیعت کی انکو طلب کیا جنمیں سے منصور و خزیمہ حاضر ہو گئے اور انکا قصور معاف
کر دیا گیا لیکن مطلب کو اسی کے خاندان نے روکا کہ وہ اپنی بات پر قائم رہنا چاہیئے۔ ابراہیم نے اذن عام دیدیا کہ مطلب
کا گھر بار لوٹ لیا جاوے۔ حمید و علی بن ہشام ابراہیم کی خلافت مدائن پر قابض ہو گئے۔ ابراہیم کا نہایت
نامور افسر عیسیٰ بن محمد بھی حسن بن سہل سے مل گیا۔ شوال ۲۰۲ھ میں باب الجبر پر اس نے یہ اعلان دیدیا کہ میں اس
معاملہ میں دونوں فریق سے الگ رہونگا اور حمید نے بھی اس بات کو منظور کر لیا ہے۔ ابراہیم نے اس کی طلب کے
لئے متعدد قاصد بھیجے بڑے اصرار سے آیا تو ابراہیم نے عتاب ظاہر کیا۔ اُس نے معذرت کی۔ ابراہیم نے
غیظ میں آکر اسکو قیدخانہ بھیجدیا اور اُس کے چند افسر و اعزہ کو بھی سزا دی علیسے ایک نہایت معزز رتبہ کا آدمی
تھا اور بہت سے نامور افسر اس کے ساتھ تھے اس کے قید ہونے نے سب کو برہم کر دیا۔ بالخصوص عباس
جو علیسی کا خلیفہ خاص تھا۔ اس نے اپنی پُر جوش تقریروں سے تمام بغداد کو ابراہیم کا مخالف بنادیا جسر و کرخ
وغیرہ پر ابراہیم کے جو عامل تھے سب نکالدیئے گئے اور لوگوں نے حمید کو خط لکھا کہ آپ یہاں کا قصد کیجئے کہ ہم
بغداد آپ کے حوالہ کر دیں۔ حمید نہر صرصر پہونچکر ٹھہرا عباس اور تمام افسران فوج اس کے استقبال کو گئے
یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام یاسریہ میں مامون کا خطبہ پڑھا جاوے اور ابراہیم معزول کر دیا جائے۔ حمید نے اہل فوج
کو پچاس پچاس روپیہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ تاریخ معینہ پر حمید یاسریہ میں داخل ہوا مگر انعام کی تعداد میں اسلئے
اختلاف پیدا ہوا کہ اہل فوج نے پچاس کے عدد کو منحوس بتایا کیونکہ علی بن ہشام نے بھی یہی تعداد مقرر کی تھی اور
بالآخر فساد کی باعث ہوئی۔ اہل فوج نے کہا کہ اسوقت ہمکو چالیس لائے جاویں تاکہ پچاس کے منحوس عدد سے یہ
تعداد مختلف رہے علیسی نے فیاضی سے پچاس کے عدد کو بڑھا کر ساٹھ کر دیا جس کے ساتھ نحوست کا شبہ بھی رفع
ہو گیا۔ ابراہیم نے اس مشکل وقت میں علیسی کو قید سے رہائی دیکر حکم دیا کہ حمید کے مقابلے پر جاوے علیسی نے ایک سازشی
حملہ کیا اور وسط فوج میں گھس گیا جس سے ظاہر میں یہ دکھانا مقصود تھا کہ ابراہیم کی وفاداری میں اس نے جان تک
کی بھی پروا نہ کی۔ لیکن فوج نے اس کی دلی خواہش کے موافق زندہ گرفتار کر لیا۔ ابراہیم نے باقیماندہ فوج سے حمید کا
مقابلہ کیا یہ اسکی اخیر کوشش تھی لیکن اب بھی وہ کامیاب نہ ہوا۔ اخیر ذیقعدہ ۲۰۲ھ میں جو معرکہ ہوا اس نے ابراہیم کی
قسمت کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ ذی الحجہ کی ۱۷ ر تاریخ بدھ کی رات ۲۰۳ھ ابراہیم کی تاریخ حکومت کا اخیر صفحہ تھا جس دن
اُس نے تبدیل لباس کیا اور کہیں غائب ہو گیا۔ ابراہیم کی خلافت نے کل ایک برس گیارہ مہینے بارہ دن کی عمر پائی :

مامون کا بغداد داخل ہونا صفر ۲۰۴ھ

مامون قریباً رجب ۲۰۲ھ میں مرو سے روانہ ہوا اور صفر ۲۰۴ھ میں بغداد پہونچا اس کا یہ سفر ایک طرح پر ملک کا ایک
دورہ تھا جسمیں اس نے حالات سے بہت کچھ واقفیت پیدا کی اور مختلف شہروں میں مناسب انتظامات کیئے۔
نہروان پہونچا تو بغداد کے تمام اعیان و عمائد و افسران فوج بڑے جوش سے اس کے استقبال کو گئے [illegible] الحسنین

نہروان میں آٹھ دن قیام کرکے مامون
بغداد کو چلا اور ۵ صفر ۲۰۴ھ کو بڑی شان و شوکت سے دارالخلافہ میں داخل ہوا جہاں ایک مدت سے
ہزاروں نگاہیں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ مامون خود اور اس کے تمام افسر سبز لباس میں تھے اہل بغداد
بھی مامون کے لحاظ سے سبز لباس پہنے دربار میں آئے مگر عام خواہش اسکے خلاف تھی لوگ آرزومند تھے
کہ انکی آنکھیں عباسیہ حکومت کو اصل لباس میں دیکھیں۔ چنانچہ جب مامون نے طاہر کو بلا کر اس کی کارگذاریوں کا صلہ
دینا چاہا اور کہا کہ "جو مانگنا ہو مانگ" تو اس نے یہی خواہش ظاہر کی کہ آل عباس کی یہ آرزو پوری کردی جائے
مامون نے یہ معقول درخواست منظور کی۔ اُس نے خود دربار عام میں سیاہ لباس منگوا کر پہنا اور طاہر ذوالیمینین و
تمام افسران فوج کو سیاہ رنگ کے خلعت مرحمت کئے ۲۳ صفر ۲۰۴ھ کو کل اہل بغداد سیاہ لباس میں تھے اور
اس دن گویا یہ عملی اعلان عام دیدیا گیا کہ "اب تمام اسلامی دنیا میں آل عباس کی حکومت ہے۔

طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا ۲۰۵ھ ہجری

اس سال ایک عجیب تقریب سے طاہر کو اپنے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ ملا یعنی وہ کل مشرقی حکومت جسکی دارالخلافہ
بغداد سے شروع ہوکر سندھ تک منتہی ہوتی ہے نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات
طاہر مامون کی بزم عیش میں حاضر ہوا مامون بادہ نوشی کے مزے لے رہا تھا بے تکلفی میں اُس نے دو پیالے طاہر
کو بھی مرحمت کئے اور اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی طاہر نے باادب عرض کیا کہ "میرا منصب اس عزت کا مستحق
نہیں ہے"۔ مامون نے کہا یہ قیدیں دربار عام کیلئے مخصوص ہیں بے تکلفی کے جلسوں میں اس قسم کے قواعد کی
پابندی ضروری نہیں"۔ طاہر آداب بجا لاکر بیٹھ گیا۔ مامون نے اس کی طرف نگاہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے
طاہر نے عرض کیا کہ اب کیا آرزو باقی رہی ہے جس کا حضور رنج کرتے ہیں"۔ مامون نے کہا کچھ ایسی بات ہے
جسکے پوشیدہ رکھنے میں تکلیف اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ طاہر اسوقت تو چپ ہو رہا مگر دل میں خلش
پیدا ہوئی کہ آخر کیا بات ہے۔ حسین جو مامون کا ساقی اور ندیم خاص تھا طاہر نے اس کو دو لاکھ درہم نذر بھیجے
اور درخواست کی کہ اُس دن کے واقعہ کا سبب دریافت کردے۔ حسین نے موقع پاکر پوچھا۔ مامون نے کہا
اگر یہ بات آگے بڑھی تو تیرا سر اُڑا دونگا"۔ سچ یہ ہے کہ جب طاہر میرے سامنے آتا ہے تو بھائی امین کا ذلت
و بیکسی سے مارا جانا یاد آتا ہے "میرے ہاتھ سے ضرور طاہر کو کسی دن ضرر پہونچے گا"۔ طاہر کو یہ بات معلوم ہوئی
تو احمد بن ابی خالد الاحول کے پاس گیا (حسن بن سہل کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوا تھا) اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں احسان فراموش
نہیں ہوں اور میرے ساتھ بھلائی کرنی فائدے سے خالی نہیں۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ مامون کی
آنکھوں سے دُور رہوں۔ احمد بن ابی خالد نے اس کا ذمہ لیا اور دوسرے دن صبح کے وقت مامون کے پاس
حاضر ہوا۔ چونکہ چہرہ سے تردد اور پریشانی نمایاں تھی (مامون نے پوچھا) کیوں کیا کوئی نئی بات ہے (احمد) حضور
نے سنا کہ حضور نے خراسان کی حکومت غسان

(مامون) مگر اس کے خیالات تو باغیانہ ہیں اور وہ نقض بیعت پر آمادہ ہے (احمد) اس کا میں ذمہ وار ہوں (مامون) اچھا تم اپنی ذمہ داری پر مقرر کرو۔ طاہر طلب ہوا اور سند حکومت کے ساتھ ایک کروڑ درہم بھی جو عموماً خراسان کے گورنر کو ملتے تھے عطا ہوئے۔ طاہر نے ایک مہینے میں ساز و سامان سفر درست کیا اور ۲۹ ذیقعدہ ۲۰۵ھ کو خراسان روانہ ہوا۔ طاہر کا بیٹا اس کے بعد صاحب الشرطہ مقرر ہوا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اسکی ذاتی لیاقت نے مصر کی گورنری پر پہونچا دیا۔ تقرر کے وقت مامون نے اسکو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے۔ لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا اس سے کم کہا جسکے تم در اصل مستحق ہو۔ طاہر نے یہ مژدہ سنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا جو آئین حکومت۔ انتظامات ملکی۔ رفاہ رعایا کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستور العمل تھا یہ خط اسقدر مقبول عام ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں۔ خود مامون نے اسکی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین و تدبیر و رائے و سیاست و اصلاح ملک و حفاظت سلطنت و قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھا نہیں رکھی ؛

عبدالرحمٰن بن احمد کی بغاوت ۲۰۶ھ

اسکی بغاوت نہ چنداں بیجا تھی نہ بہت پُرزور تھی لیکن وہ اس لئے زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے مامون کی تاریخ زندگی میں ایک نیا انقلاب شروع ہوتا ہے یمن کے لوگ عمال کی بے اعتدالیوں سے باغی ہو گئے تھے ان کو ایک صاحب اثر شخص سمجھکر خلیفہ قرار دیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو مقابلے کیلئے بھیجا لیکن معاہدہ امن بھی لکھکر دیدیا کہ اگر عبدالرحمٰن قبول کرے تو لڑائی کی کچھ ضرورت نہیں زمانہ حج میں دینار یمن کو روانہ ہوا اور معاہدۂ امن عبدالرحمٰن کے پاس بھیجدیا۔ عبدالرحمٰن نے خود دینار کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بغداد چلا آیا۔ مامون سادات کی پیہم بغاوتوں سے تنگ آ گیا تھا۔ اب اُس نے ۲۸ ذیقعدہ ۲۰۱ھ کو حکم دیا کہ عموماً آل علی اپنا امتیازی لباس چھوڑ کر سیاہ لباس اختیار کریں اور آج سے دربار میں آنے پاویں مامون کی اس خاندان سے بے انتہا لاگ محبت تھی۔ سیاست ملکی نے اسکو اس صورت سے بدل دیا جس کی تاریخ ۲۸ ذیقعدہ سے شروع ہوتی ہے ؛

ذوالیمینین طاہر کا وفات پانا۔ روز شنبہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ مقام مرو

مامون نے اگرچہ احمد بن ابی خالد کی ذمہ داری پر طاہر کو خراسان ایسے بڑے صوبے کی حکومت دیدی تاہم اسکی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ طاہر خراسان روانہ ہوتے ہوئے جب مامون سے رخصت ہونے گیا تو مامون نے ایک خاص غلام اُسکے ساتھ کر دیا جسکی نسبت طاہر کو یہ یقین دلایا کہ اسکی کارگذاریوں کا صلہ ہے مگر در پردہ غلام کو ہدایت کی تھی کہ اگر طاہر کے خیالات بغاوت کی طرف مائل دیکھے تو زہر دیدے۔ خراسان پہونچکر غالباً طاہر نے بغاوت کا ارادہ کیا اگر مورخین اسکا کوئی ثبوت بجز اسکے نہیں پیش کرتے کہ ایک جمعہ میں طاہر نے خطبہ میں

اور کفن پہنکر مامون کو اس واقعہ کی عرضی لکھی اُسکو یہ یقین تھا کہ طاہر کو بھی ضرور اس حال کی خبر ہوگی اور وہ اُسکو زندہ نہ چھوڑیگا۔ مامون نے عرضی پڑھی تو احمد بن ابی خالد کو بلا بھیجا اور کہا کہ اسی وقت خراسان روانہ ہو۔ احمد نے بڑے اصرار سے رات بھر کی مہلت لی تھوڑی دیر کے بعد دوسرا پرچہ پہنچا کہ طاہر نے دفعتہً انتقال کیا۔ احمد کا جانا ملتوی رکھا گیا طاہر کو جمعہ کے دن بخار چڑھا ہفتہ کی صبح کو لوگ عیادت کے لئے گئے تو دربان سے معلوم ہوا کہ آج خلاف معمول ابھی تک خوابگاہ میں ہے زیادہ دیر ہوئی تو لوگ اندر گئے طاہر سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ پڑا تھا بعضوں کا بیان ہے کہ پلکوں میں کچھ عارضہ پیدا ہوا جس سے وہ دفعتہً گر پڑا اور مر گیا[1]

مامون نے طاہر کے بعد اس کے بیٹے کو خراسان کی حکومت دی دوسرے بیٹے عبداللہ کو بھی معزز عہدے دیئے طاہر کی تین پشتوں یعنی خود طاہر و عبداللہ بن طاہر و عبیداللہ بن عبداللہ نے دولت عباسیہ میں بڑا اقتدار حاصل کیا ہم کو اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ طاہر کو زہر دیا گیا اور خود مامون نے زہر دلوا دیا لیکن اگر مامون کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا کرتا۔ اگر اس نظیر کے لئے ہم دور نہ جائیں اور خود مامون کے نامور باپ ہارون الرشید کی طرف نگاہ اُٹھائیں تو کیا ثابت ہوگا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے ایک خیالی الزام پر برامکہ کا وہ فیاض خاندان جسکی نظیر سے کل تاریخ اسلام خالی ہے۔ ایک لحظہ میں دنیا سے ناپید کر دیا۔ لیکن مامون نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کے لحاظ سے اُسکا ضروری فرض تھا۔ تاہم اُسکے خاندان سے کچھ تعرض نہ کیا بلکہ اسکی اولاد کو اس رتبہ پر پہنچایا کہ کچھ زمانے کے بعد خراسان میں انکی مستقل حکومت قائم ہوگئی۔ مامون کے پاس جب طاہر کے مرنے کی خبر آئی تو اُس نے کہا کہ "خدا کا شکر ہے جس نے طاہر کو مجھ سے پہلے بلا لیا" اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ طاہر کی بغاوت کا اُسکو کافی یقین ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں معلوم ہوگا کہ مامون ملک کے ہر جزئی حالات سے کسقدر واقفیت رکھتا تھا۔ اور اس وجہ سے اسکی رائے ان معاملات میں نہایت وقعت کے قابل ہے۔

افریقہ اور منصور بن نصیر کی بغاوت ۲۰۸ھ

افریقہ کو ممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے قریباً سو برس گذر چکے تھے مگر عہد فتح سے آجتک ہمیشہ خطرناک بغاوتیں برپا رہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں پہلے بھی اطاعت کا مادہ نہ تھا اور قبائل عرب کے ملجانے سے جو ایک مدت سے ان اطراف میں جا کر آباد ہوتے جاتے تھے۔ انکی سرکش اور پرخطر طبیعتیں اور تیز ہوگئی تھیں۔ یہاں کا جو خراج تھا وہ یہیں کے امن و انتظام قائم رکھنے میں صرف ہوتا تھا بلکہ مصر کے خزانے سے ۵ لاکھ روپئے سالانہ منگانے پڑتے تھے ۱۸۴ھ ہجری میں ہارون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا تھا جس نے افریقہ سے چالیس ہزار دینار بطور خراج کے دینے منظور کئے تھے۔ ابراہیم نے نہایت نیک نامی کیساتھ حکومت کی اور پھر افریقہ کی گورنری اُسکے

---

[1] مصنف عیون والحدائق کامل۔ ابن خلدون۔ ابو الفدا کسی نے لکھا کہ طاہر کیونکر مرا۔ مگر عربی مورخین کی یہ عام عادت ہے کہ وہ واقعات کو بالکل سادہ لکھتے ہیں اور اس بات سے بحث نہیں کرتے۔ صرف ابن خلکان ایک شخص ہے جس نے اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے

تھا۔ ۲۰۸؁ہجری میں ٹیونس میں ایک تازہ بغاوت کی ابتدا ہوئی جس کا بانی منصور بن نصیر تھا۔ زیادۃ اللہ نے ایک افسر کو جسکا نام محمد بن حمزہ تھا تین سو سوار دیکر بھیجا کہ دفعتہً ٹیونس پہونچکر اُسے گرفتار کر لائے۔ لیکن محمد کے پہنچنے سے پہلے منصور کو خبر ہوگئی اور وہ طلیدہ چلا گیا۔ محمد کو ٹیونس میں بالکل ناکامی ہوئی۔ اب اُس نے یہاں کے قاضی کو منصور کے پاس بطور سفارت کے بھیجا۔ چالیس بڑے بڑے ثقات قاضی صاحب کے ساتھ گئے کہ وعظ و پند کا افسون پھونک کر منصور کو مسخر کر لائیں۔ مگر منصور ان سادہ دل ملاؤں سے زیادہ چالاک تھا۔ اُس نے قاضی صاحب سے کہا کہ میں تو نمکخوار قدیم ہوں آجکی رات آپ ماحضر قبول فرمائیں کل میں آپکے ہمرکاب چلونگا۔ منصور نے محمد کو بھی دعوت کے کھانے اور فواکہ بھیجے اور لکھا کہ کل قاضی صاحب کے ساتھ شرف خدمت حاصل کرونگا محمد اور اسکی مختصر فوج نے نہایت اطمینان کے ساتھ دعوت کے مزے اڑائے اور خوب شرابیں پیں۔ ہنوز خمار نہیں اترا تھا کہ طبل جنگ کی مہیب آواز نے ان بدمستیوں کو چونکا دیا۔ اُٹھے تو منصور ایک جمعیت کثیر کے ساتھ سر پر موجود تھا محمد کی فوج نے بھی ہتھیار سنبھالنا چاہا مگر اعضار قابو میں نہ تھے تاہم ایک سخت معرکہ ہوا اور ساری رات لڑائی رہی محمد کی فوج بالکل قتل ہوگئی صرف وہ لوگ بچ گئے جو دریا میں کود پڑے اور تیر کر اُس پار نکل گئے۔ ٹیونس میں جو شاہی فوج تھی اُس نے بھی منصور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت ظاہر کی مگر اس اندیشہ سے کہ آیندہ منصور اگر زیادۃ اللہ سے ملگیا تو وہ کسی طرف کے نہونگے۔ یہ شرط پیش کی کہ آپ زیادۃ اللہ کے کسی عزیز کو قتل کرا دیجئے اسمٰعیل کے قتل سے جو زیادۃ اللہ کا رشتہ دار اور ٹیونس کا عامل تھا۔ یہ خواہش پوری کر دیگئی۔ ٹیونس کے اضلاع میں منصور کی قوت روز افزوں ترقی کر رہی تھی اور اس وجہ سے ضرور تھا کہ زیادۃ اللہ بھی برابر کی طاقت سے اسکا مقابلہ کرے۔ اُس نے اپنے وزیر خاص غلیون کو اس مہم کیلئے انتخاب کیا مگر دسویں ربیع الاول کو جو معرکہ ہوا اس میں غلیون نے شکست کھائی اور فوج جو ساتھ تھی باغیانہ افریقہ کے مختلف شہروں میں پھیل گئی۔ غلیون کو شکست دیکر منصور کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اُس نے خود زیادۃ اللہ کی دارالحکومت قیروان کو جا گھیرا ۴۰ دن تک محاصرہ رہا اور بڑے بڑے معرکے ہوئے مگر اخیر لڑائی میں جو ۱۵۔ جمادی الثانی کو پیش آئی زیادۃ اللہ اس سرو سامان سے نکلا کہ منصور نے پہلے ہی ہمت ہار دی۔ مقابلہ ہوا لیکن نتیجہ جنگ وہی تھا جو منصور کے خیال میں تھا چونکہ محاصرہ کے زمانہ میں قیروان والے منصور سے مل گئے تھے۔ زیادۃ اللہ نے اب اُن سے انتقام لینا چاہا لیکن علما اور فقہا بیچ میں پڑے اور سکو اس ارادے سے باز رکھا تاہم عبرت کیلئے قیروان کی شہر پناہ بالکل برباد کر دی گئی ؛

اگرچہ منصور خود شکست کھا کر قیروان سے چلا گیا مگر اُسکے سرداروں نے افریقہ کے اکثر اضلاع دبا لئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص عامر بن نافع تھا جس نے سبیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ۲۰۹؁ھ میں زیادۃ اللہ نے محمد بن عبد اللہ اپنے عزیز کو اُس کے مقابلہ پر بھیجا۔ ۲۰ محرم کو ایک سخت معرکہ ہوا۔ محمد نے شکست کھائی اور قیروان کو اُلٹا واپس آیا۔ اسی اثنا میں منصور نے دوبارہ قوت حاصل کی اور چونکہ فوج جو منصور کے ساتھ تھی۔ اس کے اہل و عیال قیروان میں رہ گئے

... ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم افریقہ سے اور کہیں
چلے جاؤ اس سعادت کے صلہ میں ہم تمہاری جان سے کچھ تعرض نہ کرینگے"۔ چند اتفاقی واقعات نے اگر مساعدت نہ
کی ہوتی تو آل اغلب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر ۲۱۱ھ میں عامر جو منصور کا دہنا ہاتھ تھا خود منصور سے ناراض ہو گیا اور
بالآخر اسکو قتل کرا دیا۔ یہ محسن کش بھی کچھ زیادہ نہ پھلا وہی تین برس کے بعد قضا کی اور زیادۃ اللہ کے لئے افریقہ کی
حکومت بے خلش چھوڑ گیا۔ زیادۃ اللہ کو ان واقعات نے بالکل مطمئن کر دیا اُس نے کچھ بیجا نہیں کیا کہ اب لڑائی
نے اپنے ہتھیار رکھدیئے۔

نصر بن شبث کا گرفتار ہونا ۲۰۹ھ

نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقہ کا رہنے والا تھا اور امین الرشید کا نہایت جان نثار دوست تھا محاصرہ
کے زمانہ میں تو امین کی کچھ مدد نہ کر سکا لیکن امین کے قتل کے بعد علانیہ بغاوت ظاہر کی اور چونکہ عرب کے بعض قبایل
اور بہت سے خانہ بدوش بدو بھی اُسکے ساتھ ہو گئے۔ اس نے حلب رمیا و میاط وغیرہ پر قبضہ کر لیا حسن
بن سہل نے طاہر کو جو حال ہی میں بغداد کی فتح کا فخر حاصل کر چکا تھا اُسکے مقابلہ کیلئے بھیجا۔ ایک سخت جنگ
کے بعد طاہر نے شکست کھائی اور رقہ کو واپس گیا ۱۹۹ھ میں جزیرہ کے تمام اضلاع نصر کے قبضۂ اقتدار میں
آ گئے اور ۲۰۰ھ تک اسکی بغاوت شاہی قوت کے حریف مقابل رہی ۲۰۰ھ ہجری میں جب طاہر رقہ سے چلا آیا
تو اُسکا بیٹا عبداللہ اس مہم پر مامور ہوا۔ لیکن چار برس کی متواتر کوششوں نے بھی کوئی نتیجہ نہیں پیدا کیا۔
۲۰۶ھ ہجری میں مامون نے محمد عامری کو نصر کے پاس سفیر کر کے بھیجا نصر نے گو اطاعت پر آمادگی ظاہر کی مگر شرطیں
وہ پیش کیں جو مامون کے نزدیک بغاوت کی سرکشی سے کچھ کم نہ تھیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ میں دربار میں حاضر نہ ہونگا۔
مامون نے اسکے قبول کرنے سے بالکل انکار کیا۔ محمد عامری واپس گیا اور نصر سے کہا کہ مامون کو تمہاری حاضری ہی
پر زیادہ اصرار ہے۔ نصر دفعتہً جھلا اُٹھا اور کہا کہ "وہ چند مینڈکوں (قوم زط) پر جس کا زور نہ چل سکا اُسکے آگے عرب کے
ہزاروں جانباز کیونکر سر جھکا سکتے ہیں"۔ لیکن نصر کا یہ غرور قائم نہ رہا۔ عبداللہ بن طاہر نے اسکو اتنا تنگ کیا کہ بلا
کسی شرط کے ہتھیار رکھدیئے"۔

ابن عائشہ و مالک کا قتل اور ابراہیم کی گرفتاری ۲۱۰ھ ہجری

ابراہیم جس نے بغداد میں علم خلافت بلند کیا تھا۔ گو مدت سے روپوش ہو گیا تھا لیکن اس کے قدیم رفقا اب بھی اپنی
کوششوں میں سرگرم تھے اور چاہتے تھے کہ ابراہیم کو دوبارہ تخت خلافت دلائیں۔ مامون کو اس سازش کی
بہت جلد اطلاع ہو گئی اور صفر ۲۱۰ھ ہجری میں یہ سب گرفتار کر لئے گئے۔ ابن عائشہ و مالک اس جماعت کے سرگروہ تھے
ان لوگوں نے ایک بڑی فہرست طیار کر کے مامون کی خدمت میں بھیجی کہ اور بہت لوگ اس کوشش میں ہمارے

ہیں۔ باغی قید خانے بھیجدیئے گئے مگر وہاں بھی نچلے نہ بیٹھے۔ ایک دن اندر سے چاروں طرف کے کواڑ بند کر دیئے اور چاہا کہ دیوار توڑ کر باہر نکل جائیں۔ مامون کو خبر ہوئی تو خود جیلخانہ پہونچکر ابن عائشہ کے سوا سب کو قتل کرا دیا۔ ابن عائشہ ہاشمی تھا۔ اس لئے یہ امتیاز رکھا گیا کہ بجائے قتل کے اُسکو سولی دیگئی۔ لیکن اسکے ساتھ یہ قاعدہ ٹوٹ گیا کہ ابتک کسی ہاشمی نے پھانسی پانے کی ذلت نہیں اُٹھائی تھی۔

یہ واقعہ ابراہیم کی گرفتاری کا دیباچہ تھا خود ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ "مامون جب عراق پہنچا تو لاکھ درہم کے انعام پر اُس نے میری گرفتاری کا اشتہار دیا۔ مینے خیال کیا کہ اب بغداد میں جان کی خیر نہیں گرمی کے دن تھے اور ٹھیک دوپہر تھی کہ میں گھر سے نکل کھڑا ہوا مگر یہ کون بتا سکتا تھا کہ کہاں۔ جاؤں ایک گلی میں پہنچا۔ لیکن اسکی دوسری طرف رستہ نہ تھا اب نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ اُلٹا پھر سکتا تھا اسی اضطراب میں ایک مکان نظر پڑا جسکے دروازہ پر ایک حبشی غلام کھڑا تھا میں نے بڑھکر اس سے التجا کی کہ ذرا دیر کے لئے اپنے مکان میں جگہ دے سکتے ہو؟ اُس نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور مجھکو ایک کمرہ میں لیجاکر بٹھایا۔ جو عمدہ اور بیش بہا ساز و سامان سے مزین تھا۔ لیکن چونکہ خود باہر چلا گیا تھا اور کواڑ بند کرتا گیا میری تازہ امید پھر یاس سے بدل گئی کہ غلام میرے گرفتار کرانے کو پولیس کے پاس گیا ہے میں اسی پیچ و تاب میں تھا کہ اُسی نے کواڑ کھولے اور ایک مزدور کے ساتھ مکان میں داخل ہوا میں نے مسرت آمیز تعجب سے دیکھا کہ وہ گوشت۔ دیگچی۔ کورے پیالے اور تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لایا ہے اس نے یہ تمام سامان میرے سامنے حاضر کیا اور کھڑے ہوکر دست بستہ عرض کی کہ میں ذات کا حجام۔ میری جرأت نہیں کہ اپنے گھر کا پکا کھانا حضور کی دعوت میں حاضر کروں اس لئے بازار سے سب نئی چیزیں مول لایا ہوں۔ اب حضور جو لپسند فرمائیں۔

میں نے خود کھانا تیار کیا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھکر شراب حاضر کی اور کھڑے ہو کر کہا اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک کنارے بیٹھ جاؤں اور حضور کی تفریح خاطر کے لئے دور ہی سے دور شراب میں شریک ہوں"۔ میں نے اجازت دی شراب کا دور چلتا رہا۔ ذرا دیر کے بعد وہ ایک نے اُٹھالایا اور دست بستہ کہا کہ میرا یہ منصب نہیں کہ حضور سے گانے کے لئے عرض کروں لیکن حضور کا فیاض اخلاق خود میری آرزو کو پورا کر سکتا ہے میں نے تعجب سے پوچھا کہ تم نے کیونکر معلوم کیا کہ میں اس لطیف فن سے واقف ہوں اس نے کہا سبحان اللہ کیا حضور چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ کیا حضور کا اسم مبارک ابراہیم نہیں ہے۔ کیا بغداد کے تخت نے حضور کے قدموں سے عزت نہیں حاصل کی۔ مامون الرشید نے کس کے لئے لاکھ درہم کا اشتہار دیا ہے؟

یہ سنکر میں حیرت زدہ ہوگیا اور دل میں کہا کہ یہ غلام بھی خدا کی عجیب قدرتوں کا نمونہ ہے میں نے ایسے فیاض میزبان کا رنجیدہ کرنا خلاف انسانیت سمجھا اور نے کے ساتھ حسب حال کچھ اشعار گائے۔ غلام بدمست ہوگیا مزے میں آکر خود بھی گانا شروع کیا اور اس درد سے گایا کہ در و دیوار بول اُٹھے میں تمام خطرات کو بکلخت بھول

---

۵۱ ابراہیم ربیع الاول سنہ ۲۲۳ھ ہجری میں گرفتار ہوا ؎ ۵۲ اس قصہ کو کسیقدر اختلاف کے ساتھ خود یوسف کاتب نے جو ابراہیم کا خاص ندیم تھا اپنی ایک تصنیف میں جو صرف ابراہیم کے حالات میں لکھی ہے بیان کیا ہے دیکھو [illegible] مسعودی [illegible]

وہ ہم کو عیب لگاتی ہے کہ ہمارا شمار کم ہے

قلت لہا ان الکرام قلیل

میں نے اُس سے کہا کہ بڑے لوگ کم ہی ہوتے ہیں

وانا لقوم ما نری القتل سبۃ

اذا ما راتہ عامر وسلول

عامر وسلول قتل ہونیکو عیب سمجھتے ہیں

لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے

ان پُر اثر اشعاروں نے میرے ہوش وحواس بالکل کھو دیئے اور غفلت زدہ ہو کر سو گیا جاگا تو شام ہو چکی تھی میں نے جیب سے ایک تھیلی نکالی اور غلام کو یہ کہکر دینا چاہا کہ خدا حافظ۔ سردست یہ حقیر پیشکش قبول کرو۔ خدا نے اگر وہ دن کیا کہ میری بدقسمتی اقبال مندی سے بدل گئی تو میں تمہارے احسانات کا کافی صلہ دے سکونگا" غلام نے نہایت رنجیدہ ہو کر کہا "افسوس غریب آدمی آپ لوگونکی نگاہ میں نہایت حقیر مخلوق ہے مجھکو حضور کی ذرہ نوازی سے جو عزت ملی کیا میں اسکو درہم ودینار کی عوض بیچ سکتا ہوں خدا کی قسم یہ الفاظ دوبارہ سننے کی میں طاقت نہیں رکھتا اور اگر آپ مکرر فرمائیں گے تو میں اپنی حقیر زندگی کو قربان کر دونگا" میں نے ندامت کے ساتھ اپنا بے موقع عطیہ واپس لیا اور چاہا کہ غلام سے رخصت ہوں لیکن اس نے عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ میرے آقا آپ یہاں زیادہ امن وآرام کے ساتھ رہ سکیں گے کچھ دنوں اور صبر کیجئے۔ یہ فتنہ فرو ہولے تو حضور کو اختیار ہے" میں چند روز اس کے مکان پر مقیم رہا لیکن اس خیال سے کہ میرا میزبان میرے مصارف کی وجہ سے گرانبار ہوا جاتا ہے چپکے سے نکل کھڑا ہوا۔ اور اخفائے حال کے لئے زنانہ لباس پہن لیا۔ تاہم راہ میں ایک فوجی سوار نے مجھے پہچان لیا اور چلا کر لپٹ گیا کہ لینا مامون کا اشتہاری جانے نہ پائے" میں نے پوری قوت سے اس کو پرے ڈھکیل دیا وہ ایک گڑھے میں جا پڑا اور بازار کے آدمی شور وغل سنکر ہر طرف سے دوڑ پڑے میں فرصت پاکر بھاگتا ہوا اُس پار جا پہنچا اور ایک عورت سے جو اپنے مکان کے دروازے پر کھڑی تھی درخواست کی کہ میری جان بچالے اُس نے نہایت خوشی سے میرا استقبال کیا لیکن بدقسمتی سے یہ نیک دل عورت اُسی سوار کی جورو نکلی جس نے میرا پردہ فاش کرنا چاہا تھا ذرا دیر کے بعد وہ بیرحم سوار آپہنچا۔ مکان میں گھسنے کے ساتھ اسکی نگاہ مجھپر پڑی اور بیوی کو الگ لیجا کر ساری داستان سنائی تاہم اس فیاض عورت نے مجھکو آکر تسکین دی کہ جبتک میں ہوں آپ کو کچھ ضرر نہ پہونچے گا۔ میں تین دن تک اس کا مہمان رہا لیکن چونکہ شوہر کی جانب سے اُسکو اطمینان نہ تھا چوتھے دن مجھسے کہا کہ افسوس میں آپکی حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتی"۔ مجبوراً وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ اس اضطراب میں مجھکو اپنی ایک کنیز خاص یاد آئی۔ میں سیدھا اس کے مکان پر گیا مجھکو دیکھکر باہر نکل آئی اور روتی ہوئی آواز اور ریائی آنسوؤں سے میرا استقبال کیا تھوڑی دیر تک غمخواری کی باتیں کرتی رہی پھر باہر چلی گئی۔ میں نے بغیر کسی تردد کے خیال کیا کہ دعوت کے اہتمام میں جاتی ہے لیکن کچھ عرصے کے بعد جو تحفہ وہ میرے لئے بازار سے لائی۔ وہ پولیس کے خونخوار سپاہی تھے۔ میں اُسوقت تک زنانہ لباس میں تھا اور اسی ہیئت میں گرفتار ہوگے مامون کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ سامنے پہونچا تو دربار کے قاعدے کے موافق سلام کیا۔ مامون نے کہا خدا تیرا برا کرے میں نے کہا "امیر المومنین ذرا

ذنبی الیک عظیم — وانت اعظم منہ

میرا گناہ بڑا ہے — لیکن تو اُس سے بالاتر ہے

فخذ بحقک اولا — فاصفح بحلمک عنہ

یا اپنا حق لے — یا اپنے حلم کی وجہ سے درگذر

ان لم اکن فی فعالی — من الکرام فکنہ

اگر میرے کام شریفانہ نہیں ہیں — تو آخر تیرے تو ہونے چاہئیں

میرے عاجزانہ فقرے اور پُر تاثیر اشعار مامون کے دل پر قبضہ پاتے جاتے تھے محبت سے میری طرف نگاہ کی میں نے اور چند شعر دردناک لہجہ میں پڑھے۔ اس کا دل بھر آیا اور ارکان دولت کی طرف مخاطب[1] ہوا کہ کیا رائے ہے؟ سب نے متفق اللفظ کہا "قتل"، مگر احمد بن ابی خالد وزیر اعظم نے عام رائے کے خلاف شفاعت کی اور کہا تاریخ میں ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا۔ لیکن اے امیرالمومنین اگر تو بخشدے تو ہم تیری فیاضی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکیں گے"۔ مامون نے سر جھکا لیا اور شعر پڑھا۔

قومی ھم قتلوا امیم اخی — فاذا رمیتھم یصیبنی سھمی

میرے بھائی امیم کو میری قوم نے قتل کیا — میں اگر ان پر تیر چلاؤں تو مجھ ہی کو لگیگا

میں نے دفعۃً چہرہ سے نقاب اُلٹ دی اور چلا اُٹھا کہ "اللہ اکبر - خدا کی قسم امیرالمومنین نے بخشدیا۔ مامون سجدہ میں گرا اور دیر تک سر بسجدہ رہا۔ پھر مجھسے مخاطب ہوا اور کہا کہ "چچا جان آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیوں سجدہ کیا" میں نے عرض کیا کہ "شاید میری اطاعت پر" مامون نے کہا "نہیں بلکہ اس بات پر کہ خدا نے عفو کی توفیق دی"

مامون نے پھر میری ساری داستان سنی اور غلام۔ عورت۔ کنیز کو طلب کر کے غلام کو ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیا۔ عورت کو بھی انعام عطا کیا لیکن کنیز کو اپنی توقع کے خلاف خیر خواہی کا کچھ صلہ نہ ملا۔ بلکہ الٹی[2] سزا پائی۔

مصر و اسکندریہ کی بغاوتیں سنہ ۲۱۰ ہجری

سنہ ۲۰۶ھ میں عبید اللہ سری مصر کا عامل ہوا تھا۔ اگرچہ نہایت رعب داب اور حسن انتظام کیساتھ حکومت کی مگر امید سے زیادہ کامیابی نے خودسری کا خیال پیدا کر دیا طاہر کا نامور فرزند عبداللہ اسکے مقابلہ پر مامور ہوا۔ مصر جب ایک منزل رہ گیا تو اُس نے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دیکر آگے روانہ کیا کہ پڑاؤ کے لئے کوئی محفوظ مقام معین کر رکھے۔ عبید اللہ سری نے یہ خبر پاکر دفعۃً سردار پر چھاپا مارا لیکن اُس نے نہایت استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قاصد دوڑا دیا کہ عبداللہ کو جا کر خبر کر دے۔ عبداللہ عین وقت پر پہونچا۔ عبید اللہ ایسا نادان نہ تھا

[1] ابن واضح کاتب عباسی کی تاریخ میں اس فقرہ کو کسی قدر تغیر کے ساتھ مامون ہی کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ کسی شخص نے ابراہیم کی شفاعت نہیں کی [2] دیکھو ثمار الاوراق بر حاشیہ مستطرف صفحہ ۱۷۳ کامل ابن الاثیر آغانی ابن خلدون

شہر کا محاصرہ کیا۔ پھر وہی دن ہیں گذرنے پائے تھے کہ عبید اللہ نے انجام کار غور کرکے سپر ڈالدی اور عبداللہ کی خدمت میں ایک گرانبہا تحفہ جس کو رشوت کہنا زیادہ بجا ہے ارسال کیا۔ یہ بیش قیمت تحفہ جس میں ہزاروں لونڈی غلام اور ہر ایک کے ہاتھ میں ہزار ہزار اشرفیاں تھیں گو قصداً رات کے وقت بھیجا گیا لیکن عبداللہ نے صاف انکار کیا اور لکھ بھیجا کہ اگر میں دن کو تیرا ہدیہ قبول کرسکتا تو رات کو بھی مجکو انکار نہ ہوتا خط کے اخیر میں قرآن مجید کی یہ پر رعب آیتیں لکھیں "اِرجع الیھم فلناتینّھم بجنودٍ لا قبل لھم بھا۔

ترجمہ تو اُن کی طرف واپس جا میں ایک ایسا لشکر لیکر انپر آتا ہوں جسکا وہ لوگ سامنا نہیں کرسکتے"

اس غضبناک خط نے تلوار سے بڑھکر کام دیا۔ عبید اللہ نے مجبور ہو کر امان طلب کی مصر سے تو اطمینان ہوا مگر ہنوز اسکندریہ کا مرحلہ باقی تھا۔ عبید اللہ کے زمانہ بغاوت میں اسپین سے دولت بنی امیہ کی ایک فوج آئی اور اسکندریہ پر قابض ہوگئی۔ لیکن عبداللہ کی آمد آمد نے اس کے حواس کھو دیئے اور امن کی طالب ہو کر اسکندریہ سے نکل گئی۔ اب یہ ممالک فتنہ و فساد سے یک لخت پاک ہوگئے اور ہر طرف امن و امان ہوگیا۔

زریق کی بغاوت اور سید بن انس کا مقتول ہونا ۲۱۱ھ

زریق عربی النسل تھا اور ۲۰۰ھ میں آرمینیا اور آذربائجان کا گورنر مقرر ہوا تھا لیکن باغی ہوگیا اور اپنی حکومت کے کل علاقے دبا لئے سید بن انس جو موصل کا لفٹنٹ تھا چند بار اس سے معرکہ آرا ہوا مگر فتح نہ حاصل کرسکا ۲۱۱ھ میں زریق نے ایک فوج کثیر تیار کی جو کم و بیش چالیس ہزار تھی ایک بہادر شخص مدت سے زریق کے پاس نوکر تھا اور لاکھ درہم سالانہ فقط اس بات کے پاتا تھا کہ اُس نے سید کے قتل کا بیڑا اُٹھایا تھا قسم کھائی تھی کہ جب سید کو دیکھ پائیگا تنہا اُسکے قتل کی عزت حاصل کریگا اب زریق نے جو یہ فوج گراں سید کے مقابلہ کو بھیجی تو یہ بہادر شخص بھی ساتھ گیا۔ سید لڑائیوں میں ہمیشہ تنہا حملہ آور ہوتا تھا۔ اس معرکہ میں حریف کی فوج گو چالیس ہزار سے کم نہ تھی مگر اُس نے اپنا طریقہ چھوڑنا پسند نہ کیا اور تنہا اتنے بڑے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ زریق کی فوج سے وہی بہادر شخص نکلا۔ ہر ایک نے شجاعت کے جوہر دکھلائے اور دونوں نے ایک ساتھ قتل ہو نے نے یہ ثابت کردیا کہ دونوں برابر کے حریف تھے مامون نے محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی۔ محمد ۲۱۲ھ میں موصل پہنچا اور فوج شاہی کے علاوہ وہ عرب کے بہت سے قبائل ساتھ لئے جو ایک مدت سے موصل میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ سید بن انس کا فرزند محمد بھی جو برسوں سے باپ کے خون کا عوض لینے کے لئے بیقرار تھا۔ اس فوج کے ہمراہ گیا۔ زریق محمد کی آمد سنکر خود مقابلہ کے لئے بڑھا اور مقام زاب پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں ایک سخت جنگ کے بعد زریق امن طلب کرنے پر مجبور ہوا۔ مامون نے اس فتح نمایاں کے صلہ میں زریق کا تمام مال و اسباب محمد کو عنایت کیا مگر اس نے زریق کی اولاد کو بلاکر سب واپس دیدیا اور کہا کہ میں اپنی طرف سے تم کو دیتا ہوں۔ محمد نے آذربائجان پہنچکر اُن تمام باغیوں کو بھی گرفتار کیا جو زریق کے نائب بن کر ان اضلاع پر قابض تھے۔

بابک خرمی کی بغاوت

جاویدان ایک مجوسی تھا جو ایک نئے مذہب کا بانی ہوا۔ اور نہایت شہرت حاصل کی اُسکے مرنے پر بابک نام ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ "جاویدان کی روح میرے جسم میں آگئی ہے" سنہ ۲۰۱ ہجری میں اُس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور اسلامی سلطنت کے زوال کے درپے ہوا سنہ ۲۰۵ھ میں عیسیٰ (گورنر آذربائجان و آرمینیہ) اُس کے مقابلے پر مامور ہوا۔ مگر شکست کھائی سنہ ۲۰۶ ہجری میں احمد ابن کانی نے حملہ کیا۔ مگر بابک کی فوج نے زندہ گرفتار کر لیا ۲۱۴ھ میں محمد جس نے زریق کی پُر زور بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کرتا ہوا بابک کی مستقر حکومت تک پہنچ گیا ہشتادسر کے آگے پہاڑوں کا ایک بڑا وسیع سلسلہ ہے بابک نے یہیں ایک محفوظ اور بلند موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا محمد نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا قلب فوج پر ابو سعید اور میمنہ و میسرہ پر سعدی و عباس کو متعین کیا خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے دیکھ بھال رکھے بابک نے پہلے کچھ فوج کمینگاہوں میں بٹھا رکھی تھی محمد کی فوج تقریبًا تین فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی بابک کا صدر مقام بالکل قریب آگیا تھا کہ دفعۃً اُسکے رسالے کمینگاہوں سے نکلکر محمد کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اِدھر خود بابک بھی ایک جماعت کثیر لیکر بڑھا محمد کا لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آگیا اور سخت ابتری پڑ گئی۔ ابو سعید و محمد نے بہت کچھ سنبھالا مگر فوج نہ سنبھل سکی محمد تنہا رہ گیا تھا اور چونکہ لڑائی کے مرکز سے دُور پڑ گیا تھا چاہا کہ کسی طرف نکل جائے اس ارادے سے چند قدم چلا تھا کہ سامنے شاہی فوج نظر آئی جسکو بابک کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں۔ محمد فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کر سکا اور اُلٹا پھرا۔ ایک بہادر افسر بھی اُسکے ساتھ تھا۔ دونوں بابک پر حملہ آور ہوئے۔ اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑکر مارے گئے۔

مامون الرشید ۲۱۸ھ تک زندہ رہا مگر اس کی زندگی تک بابک کا فتنہ فرو نہ ہوا[51] معتصم باللہ کے عہد خلافت کا یہ ایک مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اُسکے سرداروں نے متعدد پُر خطر لڑائیوں کے بعد بابک کو زندہ گرفتار کیا۔

فتوحات ملکی[52]

اگرچہ مامون کا عہد حکومت شروع ہی سے خانہ جنگیوں اور بغاوتوں میں اُلجھا رہا تاہم اُسکے وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی کا دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا صحابہ اور بنی امیہ کی سی عظیم فتوحات تو دولت عباسیہ کی تاریخ میں سرے سے ناپید ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں مامون اپنے نامور اسلاف ہارون الرشید منصور مہدی سے کچھ

[51] بابک کا ظہور سنہ ۲۰۱ھ میں ہوا اور اس لحاظ سے مناسب تھا کہ یہ عنوان "بابک کی بغاوت" اسی سنہ کے واقعات کے ساتھ لکھا جاتا لیکن چونکہ اسکی بغاوت کا سلسلہ مامون کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہوا ہم نے اسکو آخر ہی میں لکھنا مناسب خیال کیا ۱۲

[52] مورخین نے مامون کی فتوحات کو اور خلفا کی طرح مختلف سنوں کے ذیل میں لکھا ہے۔ جسکی وجہ سے نہایت متفرق اور پریشان

ہوں تو یہ کچھ عجب ہو سکتا ہے نہ ہم اسپر کوئی الزام عائد کر سکتے ہیں۔

عباسیوں کو جس چیز نے دنیا کی تاریخ میں زیادہ نامور کیا وہ ان کی قلم کے فتوحات ہیں جنکا اقرار ایشیا و یورپ دونو کو ہے اور جس کی وجہ سے یورپ کی استادی کا مردہ فخر آج بھی مسلمانوں کے دماغ کو مختل رکھتا ہے۔

۲۱۰ھ میں مامون کی اکثر فوجیں گو بغداد کے محاصرے میں مصروف تھیں۔ تاہم ممالک مشرقیہ میں اسکی عظمت کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیلتا جاتا تھا۔ کابل پر فوجیں بھیجیں۔ والی کابل اسلام لایا اور تحفت نذر بھیجا۔ یہ بھی درخواست کی کہ کابل و قندہار دار الخلافت خراسان کے اضلاع میں داخل کر لئے جائیں۔ اس سے پہلے بھی اسلامی فتوحات کا سیلاب ان کوہستانوں کے بلند مقامات میں سے گزر گیا تھا لیکن یہ فخر ماموں ہی کی قسمت میں تھا کہ اس کے عہد میں والی کابل اسلام لایا۔ قندھار، غزنی وغیرہ سے بت پرستی معدوم ہو گئی اور یہ ممالک ہمیشہ کیلئے علم اسلام کے سایہ میں آ گئے۔ سینکڑوں ہزاروں مسجدیں تعمیر ہو گئیں اور توحید کی خالص آواز سے تمام دشت وجبل گونج اٹھے سندھ ایک مدت سے ممالک اسلامیہ میں داخل تھا منصور عباسی کے زمانہ میں اسکے عامل نے یہاں ایک شہر بھی آباد کر لیا تھا جس کا نام منصورہ رکھا تھا۔ سندھ کے گورنر ہمیشہ اپنا صدر مقام اسی کو اختیار کرتے رہے۔ مامون کے عہد میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی وہاں کا گورنر مقرر ہوا اور ایک مشرقی رئیس پر فتح حاصل[۱] کی۔ فضل بن ہامان نے سندان فتح کیا اور ہاتھی مامون کی خدمت میں بھیجا جو اہل عرب کے لئے ایک نادر تحفہ خیال کیا جاتا تھا فضل کے بیٹے محمد نے ستر جہاز تیار کئے اور مید[۲] ہند پر چڑھائی کی۔ دشمنوں کے بہت سے آدمی مارے گئے اور قالری فتح ہوا افسوس ہے کہ ان مقامات کے اصلی نام ہم معلوم نہ کر سکے اس لئے معرب نام پر اکتفا کی) اسی زمانہ میں ذوالریاستین کشمیر وتبت کی طرف بڑھا۔ بوخان و راور پر قبضہ کر لیا گیا۔ بلاد ترک بھی محفوظ نہ رہے غاراب۔ شاغ۔ اطراز وغیرہ پر علم اسلام نصب ہوا جیغونہ خزلجی (فرمانروائے ترک) کی اولاد اور حرم میں گرفتار ہوئیں اور فرغانہ پر[۳] پھر پھریرے اڑائے گئے۔ اشروسنہ جو ایک مستقل حکومت ہے۔ کاؤس وہاں کا فرمانروا اسلام لایا۔ جس کی ابتدا اسطرح ہوئی کہ کاؤس کے چھوٹے بیٹے حیدر[۴] نے ایک فوجی افسر سے ناراض ہو کر اسکو قتل کرا دیا۔ افسر معزز رتبہ کا آدمی تھا اور کاؤس نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی اسکی لڑکی سے کی تھی۔ حیدر نے باپ کے خوف سے شہر چھوڑ دیا اور مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ تھوڑی سی فوج اشروسنہ کی فتح کیلئے کافی ہے مامون نے احمد بن ابی خالد کو ایک بڑا لشکر دیکر روانہ کیا

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۵ ۵۲ اردو کی بعض کم رتبہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مامون نے خاص ہندوستان پر بھی حملہ کیا اور متعدد لڑائیوں میں راجپوتوں سے شکست کھا کر واپس گیا مگر کسی معتبر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ فتوح البلدان میں صرف اسقدر لکھا ہے کہ فضل بن ہامان نے سندان کو فتح کیا اور مامون کی خدمت میں ایک ہاتھی بطور یادگار فتح روانہ کیا اُس نے سندان میں ایک جامع مسجد بنوائی۔ (دیکھو کتاب مذکورہ صفحہ ۲۴۶) لیکن یہ امر خود مشتبہ ہے کہ سندان کہاں ہے اور کس نام سے پکارا جاتا ہے یاقوت حموی نے معقول طریقہ سے ایک مصنف کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ وہ ہندوستان کا شہر ہے یاقوت نے اسکو سندھ کے حدود کے قریب خیال کیا ہے سندان کہیں ہو مگر راجپوتوں سے شکست کھانا شاید نئی گڑھت ہے گو ایک ہندو مصنف نے اپنی برائے نام تاریخ میں اسکا تذکرہ علانیہ کیا ہے

بچائیں۔ ترکوں نے ایک جمعیت اعظم ساتھ کر دی مگر اسلامی فوجوں نے اُسکے پہونچنے سے پہلے ہی اُشروسنہ کا فیصلہ کر دیا۔ کاؤس بغداد چلا گیا اور اسلام لایا جسکے صلہ میں مامون نے اُسکی حکومت قائم رکھی[1]۔ تبت کے رئیسوں میں سے بھی ایک والی ملک اسلام لایا وہ ایک بُت کی پرستش کیا کرتا تھا جسکی ظاہری صورت سے ایک عجیب اوج وشان کا اظہار ہوتا تھا۔ سر پر سونے کا تاج تھا جس میں نہایت بیش قیمت زمرد و یاقوت لگے تھے۔ ایک تخت سیمیں جلوس کے لیئے تھا اور اسپر ہر وقت دیبا کا فرش بچھا رہتا۔ بادشاہ تبت جب اسلام لایا وہ تخت دونوں مامون کے پاس بھیجدیئے اور نامہ لکھا کہ "میں فلاں بن فلاں حلقہ اسلام میں داخل ہوا اور تبت کے تخت کو کہ جو میری گمراہی کا ایک ذریعہ تھا کعبہ پر نذر چڑھانے کے لئے بھیجتا ہوں"۔ نصیر ابن ابراہیم عجمی سنہ ۲۰۱ھ میں اس تخت کو لیکر مکہ معظمہ پہونچا اور حکم دیا کہ صفا مروہ کی گذرگاہ عام میں رکھا جاوے۔ تین دن تک ایک شخص صبح و شام دونوں وقت تخت پر کھڑا ہوکر بآواز بلند کہتا تھا کہ "فرمانروائے تبت اسلام لایا اور یہ اُسکے پہلے معبود کا تخت ہے۔ عامہ مسلمانوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اسکو اسلام کی توفیق دی[1]۔ اسی سنہ میں عبداللہ بن خرداذبہ گورنر طبرستان نے دیلم پر چڑھائی کی۔ بڑے بڑے مشہور اضلاع فتح کیئے۔ والی دیلم جسکا نام ابولیلی تھا زندہ گرفتار ہوا۔ طبرستان اگرچہ مدت سے ممالک اسلامیہ میں محسوب ہوتا تھا لیکن پہاڑی آبادیاں ابتک شہریار و مازویار کے قبضہ حکومت میں تھیں جو مجوسی النسل و مجوسی المذہب تھے۔ عبداللہ ان اضلاع پر بڑھا۔ شہریار و مازویار دونوں نے اطاعت قبول کی۔ مازویار مامون کی خدمت میں روانہ کیا گیا کہ فتح کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ ابودلف نے بھی دیلم کے چند مشہور قلعے مثلاً اقلیم۔ بورج۔ ابلام۔ انداق فتح کیئے۔ مامون نے یورپ میں بھی نامور فتوحات کی یادگاریں قائم کیں۔ جزیرہ کریٹ کو جو بحر الغرب میں واقع ہے اور جس کا دور ۳۶۰ میل سے کم نہیں ابوحفص اندلسی نے (مامون کا ایک فوجی افسر تھا) اس طرح فتح کیا کہ پہلے ایک قلعہ پر قبضہ کیا اور وہیں پر برسوں تک مقیم رہا پھر بتدریج فتوحات حاصل کرتا گیا یہانتک کہ سنہ ۲۱۰ھ میں پورا جزیرہ تسخیر کر لیا گیا[2]۔

جزیرہ صقلیہ (سسلی)[3] کی فتح سنہ ۲۱۲ھ

یہ فتح مامون کے عہد کی نامور یادگار ہے سنہ ۲۱۲ھ میں میکل شہنشاہ روم نے جسکا نام عربی مورخ میخائیل لکھتے

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۳ میں یہ پوری تفصیل مرقوم ہے[2] میں نے یہ تمام حالات ان فرامین سے اخذ کیئے ہیں جو مامون نے اُس تخت و تاج کے کعبہ پر چڑھائے جانیکی نسبت لکھے تھے تاج کے ساتھ یہ فرامین بھی کعبہ پر آویزاں کیئے گئے اور قریباً سنہ ۲۸۲ھ تک بعینہا کعبہ میں محفوظ تھے علامہ ازرقی نے ان فرمانوں کو خود دیکھا تھا اور تاریخ مکہ میں ان کی پوری عبارت نقل کی ہے (دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۵۷) ان فرمانوں میں کشمیر و بلاد ترک کی فتوحات کا بھی مجمل تذکرہ ہے جیسا کہ میں نے اس موقع پر لکھا ہے افسوس ہے کہ کسی اور مورخ نے یہ واقعات نہیں نقل کیئے۔ فتوح البلدان میں صرف اسقدر ہے کہ مامون کے عہد میں بادشاہ کابل اسلام لایا[1] ۲۔ ۱۵۳ اکثر عربی مورخوں نے اس فتح کا تذکرہ نہیں کیا ہے گبن صاحب نے سچ لکھا کہ "مسلمان مورخوں نے جو ٹیرا اور ربانس کی شہرت سے ناواقف تھے جزیرہ کریٹ کی فتح کو حقیر سمجھا ہے مگر رومی مورخوں نے اس سے

شہنشاہ نے حکم بھیجا کہ اُس کی زبان کاٹ ڈالیں۔ فیمی اس وحشیانہ سزا کا متحمل نہوا اور علانیہ بغاوت ظاہر کی جزیرہ کے
ایک مشہور شہر سیر قوستہ پر قبضہ کر لیا اور اپنی قوت کو ترقی دیتا گیا۔ قسطنطین نے سرقوستہ پر حملہ کیا مگر شکست کھائی
اور قسطانیہ میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ فیمی نے قسطانیہ پر چڑھائی کی کہ قسطنطین گرفتار ہوا اور مار ڈالا گیا۔ اب تمام جزیرہ
میں فیمی کی مستقل حکومت قائم ہو گئی۔ سرقوستہ کو پایۂ تخت قرار دیا اور اضلاع پر عمال و نائب مقرر کرکے بھیجے۔ دشمنوں
میں سے کوئی شخص اس کا حریف مقابل نہ تھا مگر بدقسمتی سے خود اس کا ایک عزیز جس کا نام بلاطہ تھا مخالف ہو گیا
اور اپنے بھائی کی مدد سے سرقوستہ پر حملہ آور ہوا۔ فیمی نے شکست فاش کھائی اور مجبور ہو کر زیادۃ اللہ کو جو
مامون کی طرف سے افریقیہ کا گورنر تھا خط لکھا کہ اسلامی فوج اس موقع پر اگر میری آبرو رکھ لے تو اس کے صلے
میں سسلی کا جزیرہ نذر کرتا ہوں،، زیادۃ اللہ نے ربیع الاول ۲۱۲ھ میں سو جنگی جہاز جن میں سات سو سوار
اور دس ہزار پیادے تھے فیمی کی اعانت کو بھیجے۔ فوج کے سپہ سالار اسد بن فرات تھے جو مشہور محدث و امام مالک
کے شاگرد رشید تھے سسلی پہونچکر اسلامی فوج نے جسکی طرف رخ کیا وہ بلاطہ تھا جس نے فیمی کو شکست دے کر
سرقوستہ سے نکالدیا تھا۔ دونوں فوجیں نہایت جوش سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئیں فیمی اس معرکہ میں موجود
تھا مگر مسلمانوں نے اس خیال سے اُسکو الگ کر دیا کہ جس فتح میں غیر قوم کا کوئی شخص شریک ہو وہ فخر کا مستحق نہیں
جنگ کا خاتمہ بلاطہ کی شکست پر ہوا اب اسد کی فتوحات کا کوئی سد راہ نہیں رہا جس طرف گذرا فتح و ظفر نے خود
آگے بڑھکر اسکا استقبال کیا۔ اس جزیرہ میں کراث ایک مشہور قلعہ تھا اور چونکہ اسد کے ڈر سے جزیرے والے اکثر
ہر طرف سے آکر وہاں جمع ہو گئے تھے وہ ایک محفوظ مقام بنگیا تھا۔ اسد نے اس پر حملہ کرنا چاہا مگر قلعہ والوں نے
فریب سے یہ ظاہر کیا کہ ہم خود جزیہ دینے پر راضی ہیں،، ادہر فیمی نے مخفی طور سے اہل قلعہ کو لکھا کہ مسلمان قبضہ نہ کرنے
پائیں۔ اسد نے جزیہ قبول کیا اور اُنکی یہ شرط بھی منظور کر لی کہ اسلامی فوج قلعہ کی حد سے دور ٹھہر گئی۔ فرصت پاکر اہل
قلعہ نے پوری قوت سے جنگ کے سامان بہم پہونچائے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسد نے بڑے جوش سے
دشمن کا پیغام سنا اور دفعتہً تمام جزیرہ فوجیں پھیلا دیں۔ سرقوستہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔ عین موقع پر افریقیہ سے امدادی
لشکر بھی پہونچ گیا اور قریب تھا کہ اس شہر پر اسلامی پھریرا اُڑا یا جائے لیکن بلاطہ کا بھائی میکل۔ ایک فوج کثیر کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) ؎۱ سسلی کی فتح کا حال علاوہ عربی تاریخوں کے میں نے گبن صاحب کی رومن امپائر سے بھی لیا ہے خصوصاً
فیمی سے شاہنشاہ روم کی ناراضی کی وجہ اور اسلامی بیڑہ جہازات کی تفصیل گبن صاحب کے حوالہ پر میں نے لکھی ہے جزیرہ سسلی قریباً دس ہزار
میل مربع ہے۔ سات ضلعوں میں منقسم ہے جن کے نام ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ جن شہروں کے نام ہم نے اصل کتاب میں لکھے ہیں مع معرب
ہیں ذیل کی تشریح سے اُنکے نام معلوم ہونگے۔ بلرم۔ سینا۔ قسطانیہ۔ سرقوستہ۔ جرجنت۔ کنتا تیتار۔ ترمینی۔
یہ جزیرہ جب مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا تو اُس کی آبادی میں اسلامی نسلیں نہایت کثرت سے پھیل گئیں زمانہ کا
انقلاب دیکھو کہ حبیب ابن خوفل جو بغداد کا ایک مشہور تاجر تھا اس جزیرہ میں پہونچا تو خاص بلرمو میں ایک پہر کے فاصلہ پر دس

ناشوں سے گڑھوں کو بھرتی گئی۔ یہ مہم تو سر ہوئی۔ لیکن سنہ ۲۱۳ھ میں ایک عام و با پھیلی اور اسلامی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ سپہ سالار اسد بھی بیمار ہوا اور مر گیا۔ رہی سہی فوج کی کمان محمد ابن ابی الجواری نے لی۔ اسی اثنا میں قسطنطنیہ سے بادشاہ روم کا جنگی جہاز پہونچا مسلمانوں نے سسلی سے ہاتھ اُٹھایا اور چاہا کہ افریقہ کو واپس چلے جائیں لیکن رومی فوجوں نے تمام راستے روک لئے۔ مایوسی نے مسلمانوں کو مرنے پر آمادہ کیا اُنھوں نے اپنے جہازات خود جلادیئے اور جانبازی کے ساتھ تمام جزیرہ میں پھیل پڑے مینا کا محاصرہ کیا اور تین دن میں قلعہ چھین لیا۔

جرجنت پر بھی خفیف مقابلے کے بعد قابض ہو گئے۔ قصریانہ کا محاصرہ ہوا۔ اس معرکہ میں فیمی بھی مسلمانوں کے ساتھ تھا قصریانہ والوں نے فیمی سے اپنی قدیم اطاعت کا اظہار کیا اور کہا کہ تخت حکومت حضور کا منتظر ہے فیمی اس فریب میں آگیا اور آخر اُنکے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اسی اثنا میں روم سے ایک بیشمار لشکر پہونچا اور قصریانہ والوں کا مددگار ہوا تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ رومی فوج زیادہ تر برباد ہوئی اور جسقدر رہگئی وہ قصریانہ میں محصور ہوگئی ان متواتر فتوحات نے مسلمانوں کے حوصلے اور جوش انتقام دونوں کو حد اعتدال سے زیادہ بڑھادیا۔ فتوحات کی بجائے غارتگری پر جھکے فوج کے متعدد ٹکڑے ہوئے اور جس نے جدہر موقع پایا لوٹ مار شروع کی۔ رومیوں نے یہ دیکھکر کہ اُن کی طاقت یکجائی نہیں رہی ہر طرف سے اُنپر حملے کئے اور پے درپے شکستیں دیں ایک لڑائی میں اسلامی فوج کے کم و بیش ہزار سوار و پیادے کام آئے۔ اب رومیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور رسد تک بند کردی۔ مسلمانوں نے چاہا کہ شبخون مار کر نکل جائیں مگر ناکامی ہوئی۔ رومی پہلے سے خبر پاچکے تھے اور اپنے خیموں کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر پھیل گئے تھے۔ مسلمان ان کے پڑاؤ تک پہونچے تو خیمے بالکل خالی پائے واپس آنا چاہا تو رومیوں کے حصار میں تھے۔ مجبور ہو کر لڑنا پڑا۔ مگر اکثر قتل ہوئے اور جو بچ رہے وہ بھاگ کر مینا میں محصور ہوئے لیکن ایسی سختی سے دن گذرے کہ کتّا بلّی تک مار کر کھا گئے۔ اس مایوسی میں ایک غیبی مدد نے انکو مرنے سے بچالیا۔ اسپین کے اسلامی جہازات ہمیشہ نئے جزیروں اور نو آبادیوں کی تلاش میں سمندر کے ہر حصہ میں پھرتے رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک بڑا جہازات ادہر آنکلا ساتھ ہی افریقہ کے بھی بہت سے جنگی جہاز مدد کو آگئے ان سب جہازوں کا شمار قریبًا تین سو تھا۔ رومیوں نے فتح کا خیال چھوڑ دیا اور محاصرہ سے دست بردار ہو گئے مسلمان محاصرہ سے چھوٹے تو انتقام کے جوش میں لبریز تھے۔ شہر بلرم اُنکے حملوں کا پہلا آماجگاہ ہوا اور ۲۱۶ھ میں بالکل فتح کر لیا گیا۔ ۲۱۹ھ میں اور اُسکے بعد سسلی کے بڑے بڑے شہر فتح ہوئے مگر چونکہ مامون کی تاریخ زندگی اس سنہ سے پہلے ختم ہوگئی۔ ہم ان فتوحات کا ذکر نہیں کرتے:۔

روم پر حملے[۱]

یہ حملے اس لحاظ سے زیادہ دلچسپی کے قابل ہیں کہ ان میں مامون خود بذات خاص شریک تھا اور سچ یہ ہے کہ اگر

---

[۱] یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی قدیم مورخ روم کے لفظ سے ایشیا ء کوچک مراد لیتے ہیں یہاں بھی یہی مقصود ہے۔ جن شہروں کے نام ان فتوحات میں لئے گئے ہیں ان کو ایشیائے کوچک کے جغرافیہ میں ڈھونڈھنا چاہیئے۔ ناظرین اگر اس نکتہ سے واقف نہونگے تو انکی یا قسطنطنیہ

جمادی الاولیٰ ۲۱۵ھ میں روم پر حملہ آور ہوا۔ روم کی سرحد کے قریب پہونچا تو بادشاہ روم کے قاصد صلح کی درخواست لیکر آئے۔ اور یہ شرطیں پیش کیں۔

(۱) دارالخلافہ سے یہانتک آنے میں جو کچھ صرف ہوا ہے ہم ادا کرینگے۔

(۲) جس قدر مسلمان ہمارے ملک میں مدتوں سے قید ہیں بغیر کسی عوض کے رہا کر دیئے جائیں گے۔

(۳) اسلامی شہروں میں سے جو شہر روم کے اگلے حملوں میں برباد ہوئے ہیں ہم اپنے صرف سے انکی مرمت کر دینگے ان تین شرطوں میں جو پسند ہو ہم اسپر راضی ہیں۔ جسکے عوض میں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ دارالخلافہ کو واپس جائیں،، مامون نے دو رکعت نماز پڑھی اور خود دیر تک سوچتا رہا کہ کونسا پہلو اختیار کرے مگر اس کی بلند حوصلگی نے یہی رائے دی کہ یہ سب شرطیں فتح سے کم قیمت ہیں۔ اُس نے قاصدوں کو بلا کر کہا پہلی شرط کی نسبت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تم سے کہتا ہوں کہ "تم اپنا تحفہ اپنے پاس رکھو" دوسری شرط بھی بے سود ہے کیونکہ جو مسلمان تمہارے یہاں قید ہیں اگر وہ دین کے لئے لڑنے گئے تھے تو قید ان کے لئے مایۂ فخر ہے اور اگر ان کا مقصد دنیا حاصل کرنا تھا تو وہ قید ہی کے مستحق ہیں۔ تیسری شرط بھی منظور نہیں کر سکتا۔ قید ہوتے وقت جس مسلمان عورت نے "ہائے محمدؐ" کہکر پکارا ہوگا میں اسکی اس دردناک آواز کو روم کے بڑے سے بڑے قلعہ کے عوض میں نہیں بیچ سکتا بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا روم کی حدود حکومت میں پہونچ گیا۔ قلعہ قرة کا محاصرہ کیا اور ۲۶ جمادی الاولیٰ کو فتح کے بعد برباد کر دیا قلعہ ماجدہ کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کی قلعہ سنان لڑکر فتح ہوا۔

اشناس نے اپنے غلام کو قلعہ سندس پر بھیجا جو فتح کے ساتھ مالک قلعہ کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لایا اسی طرح عجیف و جعفر نے جو مامون کے ممتاز افسروں میں تھے قلعہ سناد پر فتح کے پھریرے اُڑائے۔

مامون اتنی کامیابیوں کے ساتھ دمشق کو واپس آیا مگر ۲۱۶ھ میں یہ خبر سنکر بادشاہ روم نے طرطوس و مصیصہ پہونچکر نہایت بیرحمی سے دو ہزار مسلمان قتل کر دیئے۔ بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ پھر روم پر چڑھائی کی۔ خود ہر قلعہ کا محاصرہ کیا اور عباس اپنے بیٹے اور ابو اسحٰق معتصم اپنے بھائی سے کہا کہ "تمہارے حوصلوں اور بہادری کیلئے دشمن کا ملک وسیع جولانگاہ ہے۔ فتوحات کے لئے جس قدر ملک چاہو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے" ابو اسحٰق نے کم و بیش تیس نامور قلعے فتح کئے جن میں خرذلہ نہایت مشہور اور نامی قلعہ تھا اور بارہ قلعوں پر مشتمل تھا ابو اسحٰق نے اس قلعہ کو بالکل برباد کر دیا اور آگ لگا دی۔ عباس نطیقو قلعہ احرب قلعہ حصین کو فتح کرتا ہوا خود بادشاہ روم پر حملہ آور ہوا اور نہایت سخت پُر خطر جنگ کے بعد حریف کو شکست فاش دیکر بیشمار غنیمت کے ساتھ واپس آیا۔

۲۱۷ھ میں بادشاہ روم نے صلح کی درخواست کی مگر اتنی گستاخی پر کہ خط میں اپنا نام پہلے لکھا تھا۔ مامون غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ اور انتقام کے فراموش شدہ حوصلے پھر تازہ ہو گئے۔ بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا ممالک محروسہ میں فرامین بھیجے کہ ہر شہر سے اسلام کے حوصلہ مند جہاد پر کمر بستہ ہوں اور روم کی طرف رُخ کریں۔

[illegible] عظمت کا ہمسر گنا جاتا تھا۔ مامون نے پہلے

دو نئے قلعے تیار کئے جائیں۔ غیر ملک میں اس حکم کی فوراً تعمیل ہونے سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی فوج اپنے پاس کیا سر و سامان رکھتی ہوگی۔ ان دونوں قلعوں میں سے ایک پر جبلہ اور دوسرے پر ابو اسحٰق معتصم کو تعین کیا اور عام افسری عجیف کو دی خود ایک دوسرے قلعہ کو فتح کر نیکو بڑھا جسکا نام سلغوس تھا عجیف دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اور پورے ایک مہینہ اس عذاب میں گرفتار رہا۔

بادشاہ روم خود قلعہ لولوۃ تک آیا مگر جبلہ و ابو اسحٰق اپنے قلعوں سے نکلکر نہایت دلیری سے مقابل ہوئے اور شاہ روم کے فوجی سامان بالکل لوٹ لئے۔ لولوۃ والے یہ دیکھکر کہ خود انکا بڑا شہنشاہ اسلامی تلواروں کے سامنے نہ ٹھہر سکا ہمت ہار گئے۔ اور عجیف کو اس درخواست کے ساتھ رہا کر دیا کہ "ہم کو تمہارے صدقہ میں امن ملجائے۔ مامون نے اُن کی درخواست قبول کی اور یادگار فتح کے طور پر وہاں بہت سے مسلمان آباد کرائے۔

حدود روم کے قریب طوانہ جو ایک معمولی قصبہ تھا ۲۱۲ھ میں مامون نے حکم دیا کہ وہاں ایک شہر بسایا جاوے شہزادہ عباس تعمیر پر مامور ہوا۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلے پر شہر پناہ تیار کی گئی جس میں صدر دروازے چار تھے اور ہر دروازہ پر ایک مستحکم قلعہ تھا۔ فرامین صادر ہوئے کہ ہر شہر سے ایک خاص تعداد یہاں آباد ہونے کے لئے بھیجی جائے[1] جن کی تنخواہیں اس شرح سے مقرر ہوئیں۔ سوار سو درہم۔ پیادہ چالیس درہم۔

مامون کی وفات ۱۸ رجب ۲۱۸ھ

اسوقت مامون نے زندگی کے کل ۴۸ مرحلے طے کئے ہیں۔ مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کی نذر ہو گیا۔ ان جھگڑوں سے نجات پا کر عنان سلطنت اُس نے اپنے ہاتھ میں لی اور یہی دن تھے کہ وہ اپنے حوصلوں کو پوری آزادی دیتا اور وہ کر دکھاتا جو اسلام کے گذشتہ ناموروں نے کر دکھایا تھا۔ بلاد روم کے حملے اُس کی بہادری کی ابتدائی بازیگاہ ہیں۔ تاہم اس میدان میں وہ اپنے اسلاف سے ایک قدم پیچھے نہیں ہے۔ یادگار فتوحات حاصل کرنے پر بھی ابتک وہ انھیں اطراف میں موجود ہے اور شاید اس خواہش میں سرگرم ہے کہ شہنشاہ روم کی قوت کا بالکل استیصال کر دے۔ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کر نیکا وہ قطعی ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن زمانہ نے کس کی سب آرزوئیں پوری ہونے دی ہیں۔ بہت سے پر فخر خیالات اُس کے دل میں بھر رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ موت نے یہ پیغام سنا کر سب کو مٹا دیا کہ "اب میری حکومت ہے"۔

ایک دن وہ اپنے بھائی معتصم کے ساتھ نہر بذندون کی سیر کو نکلا۔ پانی نہایت صاف تھا اور چمکتی ہوئی نہروں کی حرکت عجیب دلفریب سماں دکھا رہی تھی۔ مامون و معتصم دونوں ایک کنارے زمین پر بیٹھ گئے اور پانی میں پاؤں لٹکا دیئے۔ سعد قاری۔ مامون کا خاص ندیم بھی اس موقع پر موجود تھا مامون نے اسکی طرف مخاطب ہو کے کہا "کیوں سعد۔ ایسا سرد اور صاف پانی تم نے کبھی دیکھا ہے"

---

[1] مامون کی فتوحات گو ابن خلدون۔ ابو الفداء۔ ابن الاثیر سب نے کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں لیکن میرا خاص ماخذ عیون الحدائق

مامون "اس پانی پر غذا کیا ہو"
سعد "حضور خود اس سوال کا جواب دیسکتے ہیں"
مامون "آزاذا کی کھجوریں"
یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی دریافت سے معلوم ہوا کہ ڈاک ہے اس حسن اتفاق پر سب کو حیرت ہوئی کہ سرکاری کا غذات کے علاوہ مامون کی فرمائش بھی ساتھ تھی سب نے بڑے شوق سے کھایا اور نہر کا سرد پانی نوشجان کیا۔ لیکن اُٹھے تو حرارت محسوس ہوئی۔ قیام گاہ پہنچکر ۱۳ جمادی الثانی کو سخت بخار چڑھا اور اسی عارضہ میں انتقال کیا۔
مرنے سے چند روز پہلے زیست سے بالکل مایوسی ہوگئی تو ممالک میں فرامین روانہ کیئے جن کا یہ عنوان تھا "امیر المؤمنین۔ مامون اور اُسکے بھائی ابو اسحٰق کی طرف سے (شہزادہ عباس بھی اگرچہ اس سفر میں ساتھ ساتھ تھا اگر اُسکو ولیعہدی کا دعویٰ ہوتا تو ناموزوں بھی نہ تھا) لیکن مامون کی فیاض دلی محبت پدری پر غالب ہوئی۔ اُس نے اپنے نامور فرزند کو چھوڑ کر اپنے بھائی ابو اسحٰق کو انتخاب کیا۔ حالانکہ خود ہارون الرشید اپنی زندگی میں اُسکو خلافت کے آئندہ استحقاق سے بالکل محروم کر چکا تھا۔
اس کام سے مامون نے صرف اپنی فیاض دلی نہیں ثابت کی۔ بلکہ یہ انتخاب اُسکے صائب الرائے ہونیکا بھی ایک کافی ثبوت تھا۔ یہی ابو اسحٰق ہے جو معتصم باللہ کے لقب سے مشہور ہے اور اُسکے عظیم الشان کارناموں کے یاد دلانے کے لئے صرف اس کا نام لینا کافی ہے۔ مامون نے مرنے سے ذرا پہلے تمام افسران فوج۔ علما۔ قضاۃ۔ خاندان شاہی کو جمع کیا اور نہایت موثر لفظوں میں وصیت کی جس کا مختصر مضمون یہ ہے "مجکو اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ اور بیم و امید دونوں مجھپر حاوی ہو رہے ہیں۔ لیکن جب میں خدا کے عفو کا خیال کرتا ہوں۔ تو امید کا پلہ گراں ہو جاتا ہے۔ جب میں مرجاؤں تو مجھکو اچھی طرح سے غسل دو اور وضو کراؤ۔ کفن بھی اچھا ہو۔ پھر خدا کی حمد و ثنا پڑھ کے مجکو تابوت پر لٹاؤ اور تدفین میں جہانتک ممکن ہو جلدی کرو۔ جو شخص کبیر السن اور رشتہ میں سب سے زیادہ قریب ہو وہ نماز پڑھائے۔ نماز میں تکبیر پانچ بار کہی جاوے۔ قبر میں وہ شخص اُتارے جو رشتہ میں قریب تر ہو اور مجھسے بہت محبت رکھتا ہو اور قبر میں میرا منھ قبلہ کی طرف رہے اور سر اور پاؤں کی طرف سے کفن ہٹا دیا جائے پھر قبر کو برابر کرکے لوگ چلے آئیں اور مجکو میرے اعمال کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ کیونکہ تم سب لوگ ملکر بھی نہ مجکو آرام پہنچا سکتے ہو نہ مجھسے کوئی تکلیف دفع کر سکتے ہو۔ ہو سکے تو بھلائی سے میرا نام لو ورنہ چپ رہو۔ کیونکہ بُرا کہنے سے تم پر بھی مواخذہ ہوگا۔ مجھپر کوئی شخص چلا کر نہ روئے۔ شاید میں بھی اُسکے ساتھ مواخذہ میں آؤں۔
تعریف کے قابل صرف خدا کی ذات ہے جس نے سب کی قسمت میں مرنا لکھدیا اور بقا میں آپ یگانہ رہا۔ دیکھو میں کس طرح کا تاجدار تھا لیکن حکم الٰہی کے سامنے کچھ زور نہ چل سکا بلکہ حکومت نے میری آئندہ

جو مواخذہ الٰہی سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ رعایا کی بھلائی کا جو کام پیش آئے اس کو سب کاموں پر مقدم رکھنا۔ زبردست عاجزوں کو ستانے نہ پائیں ضعیفوں سے ہمیشہ محبت اور آشتی سے پیش آنا جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں ان کی خطاؤں سے اغماض کرنا۔ اور سب کے روزینے اور تنخواہیں برقرار رہیں۔ اسکے بعد اس نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھی تھیں کہ غش آگیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کلمہ توحید کی تلقین کی ایک نصرانی حکیم جس کا نام ابن ماسویہ تھا اس بات پر متعجب ہوا اور حقارت سے کہا کہ اپنی ہدایت کو رہنے دو اس وقت مامون کے نزدیک خدا اور مانی دونوں یکساں ہیں۔ مامون اس آواز سے دفعۃً چونک پڑا اور اسقدر غضبناک ہوا کہ اُسکے تمام اعضا تھرانے لگے چہرہ اور آنکھیں بالکل سرخ ہوگئیں۔ ہاتھ بڑھاکر چاہا کہ ابن ماسویہ کو پکڑلے اور اس بدگمانی کی پوری سزا دے۔ مگر اعضا قابو میں نہ تھے منہ سے کچھ کہنا چاہا زبان نے یاری نہ دی۔ نہایت حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اسی حالت میں خدا نے اسکی زبان کھولدی اور وہ خدا کیطرف مخاطب ہوا اور کہا "اے وہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی۔ اسپر رحم کر جسکی سلطنت زائل ہو رہی ہے" اس فقرہ پر اُسکے نفس واپسیں نے دنیا کو الوداع کہا اور خدا کے سایۂ رحمت میں چلی گئی ہائے کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون)

عباس اور ابو اسحٰق معتصم اس کا لاشہ طرطوس لے گئے۔ اور خاقان کے مکان میں جو ہارون الرشید کا خادم خاص تھا دفن کیا۔ مورخین اس بات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مامون جو باپ کا سب سے زیادہ لاڈلا تھا اُس کی قبر ہارون الرشید کے مدفن سے جو طوس میں ہے بعد المشرقین کا فاصلہ رکھتی ہے۔

مامون کا حلیہ

رنگ سپید سرخی مائل تھا۔ آنکھیں بڑی تھیں۔ ڈاڑھی لمبی مگر پتلی تھی۔ پیشانی تنگ اور چہرہ پر ایک تل تھا۔ موزوں اندام اور خوش رو تھا۔

مامون کی اولاد ذکور

محمد اکبر[1]۔ محمد اصغر[2]۔ عباس[3]۔ علی[4]۔ حسن[5]۔ اسمٰعیل[6]۔ فضل[7]۔ موسیٰ[8]۔ ابراہیم[9]۔ یعقوب[10]
حسین[11]۔ سلیمان[12]۔ جعفر[13]۔ اسحٰق[14]۔ احمد[15]۔ ہرون[16]۔ عیسیٰ[17]۔

ختم شد

المامون کا دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید
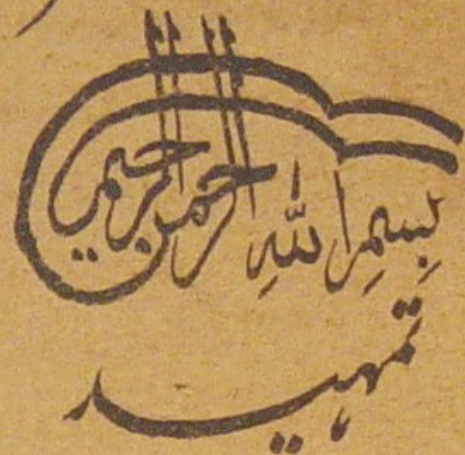
ہماری تاریخ کا پہلا حصہ گو نہایت معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے اور اس اعتبار سے وہ تمام تاریخوں کا ایسا جامع انتخاب ہے جس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا۔ تاہم وہ مامون کے عہد سلطنت کی ایک رخی تصویر ہے جس میں چند معمولی واقعات اور باہمی خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پولیٹیکل انتظامات اور قوانین ملکی ایک طرف مامون کے سوشل حالات کا خط و خال بھی اُسمیں دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے ضرور ہے کہ اپنے رہنما مورخونکے نقش قدم کو چھوڑ کر ہم خود دلیل راہ بنیں اور ناظرین کو وہ مرقع دکھائیں جسمیں وہ مامون کو جس رنگ میں دیکھنا چاہیں دیکھ سکیں۔ تمام خلفاء و سلاطین کی فہرست میں مامون جامعیت کی حیثیت سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے اور حدیث۔ فقہ۔ ایام العرب۔ شاعری۔ انساب۔ فلسفہ۔ ریاضی جس فن کی بزم میں جاؤگے وہ صدر نشین نظر آئیگا اس کے دلیرانہ فتوحات نے دنیا کے ممتاز حصوں میں اپنی ناموری اور محسوس یادگاریں چھوڑی ہیں۔

بہادری کے معرکوں میں اس کی تیز دستیاں دیکھ کر یقین نہیں آسکتا کہ ان ہاتھوں نے تلوار کے سوا کبھی قلم بھی چھوا ہے۔ اس کے ذاتی اخلاق بھی ایسے پاک اور برگزیدہ ہیں کہ سلاطین تو کیا۔ فقرا و درویشوں میں بھی دو ہی چار ایسے فرشتہ خو گذرے ہونگے۔ تواضع۔ حلم۔ عفو۔ فیاضی۔ دریادلی۔ بلند ہمتی۔ دلیری۔ فرزانگی۔ کوئی ایسی صفت نہیں جو قدرت نے اس سے دریغ رکھی ہو۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ شخصی حکومت کے اقتدار میں بعض ایسی بے اعتدالیاں بھی اُس سے سرزد ہوگئی ہیں جنکے خیال کرنے سے دل کانپ جاتا ہے اور دفعۃً اُسکی تمام خوبیاں آنکھوں سے چھپ جاتی ہیں۔ تاہم مجموعی حیثیت سے اسلامی ہیروز (نامور لوگ) میں وہ ایک نامور ہیرو ہے اور مسلّم ہے۔ اگر ایسے بے نظیر شخص کو بقائے دوام کے دربار میں پیش کرنے کے وقت ہم بھی عام نقیبوں کی طرح چند معمولی الفاظ پر اکتفا کر جائیں۔

افسوس ہے کہ ملکی نظم و نسق کے متعلق ہماری واقفیت بھی محدود ہے جس کا التزام ہماری قلت نظر پر۔ اگر پاس ادب نہ ہو تو قدیم مورخوں پر ہوگا۔ جو آنے والی نسلوں کے تاریخی مذاق کا اندازہ نہ کرسکے دوسری قسم کے مذاق کے لئے بھی گو مجھکو ہزاروں ورق اُلٹنے پڑے ہیں۔ لیکن جو سرمایہ جمع ہوگیا ہے۔ میں اُسکو بہرحال کافی خیال کرتا ہوں اور قدما کا مشکور ہوں کہ جو کچھ ہے انھیں کا ہے۔

کا بلکہ عموماً اسلامی جاہ و جلال کا مرکز رہا ہے

مامون اگرچہ ابتدائی زمانہ میں خراسان کا بادشاہ کہلایا۔ اور اسی بنا پر بعض یورپین مورخوں نے اس کی نسبت اس باب میں ہمیشہ غلطی کی ہے لیکن امتداد زمانہ اور استقلال خلافت دونوں حیثیت سے اس کا دار الخلافہ بغداد کہا جا سکتا ہے۔ نہ خراسان۔ اس لئے پہلے مختصر طور پر ہم اس مشہور شہر کا حال لکھتے ہیں۔

بغداد

بغداد[۱] کی جس نے بنیاد ڈالی وہ مامون الرشید کا پر دادا ابو جعفر منصور تھا۔ اگرچہ خاندان عباسیہ کا دوسرا ہی خلیفہ تھا اور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ تاہم سلطنت کو وسعت اور استحکام دونوں لحاظ سے اب ایک مستقل پایۂ تخت کی ضرورت تھی۔ منصور نے کوفہ کے نواحی میں ایک عارضی مقام ہاشمیہ اختیار کیا تھا۔ لیکن فرقہ راوندیہ کی بغاوت اور اہل کوفہ کی مشہور بے وفائی نے اس کا دل پھیر دیا تھا۔ نہایت جستجو اور کوشش اور بہت سے اہل الرائے کے مشورے کے بعد اس نے وہ مختصر آبادی اختیار کی جو کسی زمانہ میں نوشیروان عادل کے انصاف سے منسوب تھی اور اب مختصر ہو ہو کر بغداد[۲] کے نام سے پکاری جاتی تھی۔

یہ انتخاب ہر لحاظ سے موزون تھا۔ اسکے دونوں طرف چار نہایت آباد اور زرخیز صوبے تھے۔ دجلہ (ٹیگرس) اور فرات کے متصل ہونے کی وجہ سے ہندوستان۔ بصرہ۔ واسطہ۔ مغرب۔ شام۔ مصر۔ آذر بائیجان۔ دیار بکر۔ وغیرہ کا مشترک تجارت گاہ ہو سکتا تھا۔ آب و ہوا بھی نہایت معتدل اور قریباً ہر مزاج کے مناسب تھی۔ پولیٹیکل مصلحتوں کے خیال سے بھی نہایت مناسب مقام تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں لاجواب تھا۔ نہ تو بالکل عرب کی ناف میں تھا۔ جہاں شاہانہ جاہ و حشم اور شخصی حکومت اپنا زور نہیں دکھا سکتی نہ اس قدر دور تھا کہ عرب کی قوت و اثر سے بالکل فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان حیثیتوں میں اگر اور کوئی اسلامی شہر اس کا ہمسر ہو سکتا تو صرف دمشق تھا۔ لیکن وہاں کی آب و ہوا میں مروانی حکومت کا زہر آلود اثر اب بھی موجود تھا۔ منصور گو بخالت کے وصف میں یکتا مانا جاتا تھا لیکن نئے دار الخلافہ کے شوق میں اسکی ہمت نے غیر معمولی پلٹا لیا۔ قیمت مناسب دیکر راہبوں سے بغداد کی کل زمین مول لی اور فرامین بھیجکر شام۔ موصل کوہستان۔ کوفہ۔ واسطہ سے بڑے بڑے مشہور کاریگر اور صناع بلائے۔

۱۴۵ھ میں خود اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ یعنی زمین کل خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عنایت

---

[۱] بغداد کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے مرآت البلدان سے لکھا ہے اور کہیں کہیں دوسری کتابوں سے کچھ حالات اضافہ کیئے ہیں تو وہاں نوٹ میں خاص حوالے دیدیئے گئے ہیں۔

[۲] بغداد کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت غالباً زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اس کے قریب نوشیرواں کا ایک باغ تھا جہاں

خشت شماری کا ذلیل کام دیا جس کو امام صاحب نے قضا کے پُرخطر کام کے مقابلہ میں نہایت خوشی سے قبول کیا۔ بنیاد نیچے سے پچاس ہاتھ چوڑی رکھی گئی۔ لیکن سطح خاک کے برابر آکر صرف بیس ہاتھ کا عرض کافی سمجھا گیا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک شہر ہے جس کی آبادی دائرہ کی صورت میں ہے۔ منصور نے خاص ایوان شاہی مرکز کی طرح عین وسط میں تعمیر کرایا۔ جس سے غالباً یہ اشارہ مقصود تھا کہ حاکمانہ حیثیت سے بادشاہ کے ساتھ ہر خاص و عام کو یکساں نسبت ہے۔

شہر پناہ کے چار دروازے تھے اور ہر دروازے سے دوسرے دروازہ تک ایک میل کا فاصلہ تھا تعمیر کے سلسلے میں ایوان خلافت۔ مسجد جامع۔ قصر الذہب۔ قصر الخلد۔ نہایت بلند اور شاندار عمارتیں تھیں لیکن سب کا سرتاج قبۃ الخضرا ایک سبز گنبد تھا جس کا ارتفاع قریباً ۸۰ گز سے کم نہ تھا۔ نئی آبادی کے بعد بغداد کا نام مدینۃ السلام سے بدل دیا گیا۔ جو عام زبانوں پر گو محیط نہ ہوا لیکن دفاتر اور تصنیفات پر عموماً حاکمانہ عزت و زور کے ساتھ قابض ہو گیا۔

منصور نے گو نہایت کفایت شعاری سے کام لیا حالانکہ ایک افسر پر اس حساب میں سے پندرہ درہم باقی نکلے تو قید کی سزا دی تاہم جب مصارف تعمیر کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دفتر خزانہ میں دو کروڑ درہم کی رقم خالی ہو گئی[۵]

یہ بغداد جس کا ذکر ہوا منصور کا بغداد تھا۔ لیکن بہت جلد روز افزوں ترقی کے ساتھ اس کی اصلی ہئیت بھی بدل گئی۔ منصور کے جانشین مہدی نے دار الخلافہ کو دجلہ کی شرقی جانب بدل دیا جس سے شہر کی یہ صورت ہو گئی کہ دجلہ بیچ میں آ گیا۔ اور اس کے قدرتی منظر میں ایک عجیب و غریب پیدا ہو گئی۔ یہ اسلامی شہر ہر عہد میں حیرت انگیز ترقیاں حاصل کرتا گیا۔ قریباً پانچسو برس تک خلفا و اعیان سلطنت اور بڑے بڑے دولت مند امراء کے فیاضانہ بے روک حوصلے اسکی آبادی کی رونق بڑھانے میں رقیبانہ سرگرمی کے ساتھ صرف ہوا کئے۔

ہارون الرشید کے وزیر اعظم جعفر برمکی[۶] نے ایک قصر کی تیاری میں جو صرف کر دیا وہ منصور کی کل فیاضی کے برابر (یعنی دو کروڑ درہم) اترا۔ رنگین مزاج امین الرشید نے بھی دو کروڑ سے زائد کی عمارتیں تیار کرائیں۔

مامون الرشید کے عہد میں خاص شہر کی مردم شماری دس لاکھ سے زیادہ تھی[۷]۔ آثار الدول میں لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں تیس ہزار مسجدیں اور دس ہزار حمام وہاں موجود تھے۔ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ شہر بغداد میں آٹھ سو ساٹھ طبیبوں کو مطب کرنے کی اجازت تھی۔

بغداد کی مشہور عمارتوں کا تذکرہ ایک مستقل کتاب میں ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے ناظرین کو ہمارے اس

---

[۱] منصور نے امام ابو حنیفہ صاحبؒ کو منصب قضا کے قبول کرنے کے لئے کہا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا میں اس قابل نہیں منصور نے غیظ میں آ کر کہا "تم جھوٹ کہتے ہو"۔ امام صاحبؒ نے فرمایا "تو میرا یہ دعویٰ سچا ہے کہ میں قاضی نہیں ہو سکتا کیونکہ جھوٹا شخص قاضی کیونکر مقرر ہو سکتا ہے"

[۵] دیکھو نجوم زاہرہ فی تاریخ مصر القاہرہ صفحہ ۲۷۷ مصارف تعمیر میں مختلف روایتیں ہیں مگر ہم نے ایک متوسط اور معتمد روایت اختیار کی ہے

کو بھی لبن صاحب کی تاریخ سے کچھ کم حق حاصل نہیں ہے اس لئے اجمالاً ہم اس کا حال لکھتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب عمارات خلیفہ المقتدر باللہ نے بنوائی تھیں جو ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ صحن کے ایک وسیع حوض میں سونے کا ایک درخت تھا۔ جس میں سونے چاندی کے اٹھارہ گدّے تھے اور ہر گدّے میں بہت سی شاخیں تھیں ہر شاخ میں بیش بہا مختلف رنگوں کے جواہرات اس خوبی سے مرصع کئے تھے کہ قدرتی پھولوں کا دھوکا ہوتا تھا نازک ٹہنیوں اور شاخوں پر رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے طلائی پرند تھے۔ اور اس ترکیب سے بنائے تھے کہ ہوا چلنے کے وقت سب کے سب اپنے ذاتی نغمات سے خوش الحانی کرتے سنائی دیتے تھے۔ حوض کے دونوں جانب پندرہ مصنوعی سوار تھے جو نہایت قیمتی دیبا و حریر کی وردیاں پہنے۔ مرصع زرین تلواریں لگائے اس طرح حرکت کرتے نظر آتے تھے کہ گویا ہر سوار اپنے مقابل کے سوار پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے[۵۱]۔

بغداد میں خلفاء کا ملکی رعب وداب گو وہی صدیوں کے بعد جاتا رہا لیکن عام اسلامی عظمت تاتاری سیلاب کے آنے تک قائم رہی۔ آستانۂ خلافت پر بڑے بڑے ذی اقتدار فرمانروا سجدہ کر جاتے تھے ضعیف سے ضعیف خلیفہ کے سامنے بھی **دیلم و سلجوق** کا سر جھک جاتا تھا۔ محمود غزنوی نے یمین الدولہ کا پُرفخر خطاب جس سے حاصل کیا تھا وہ بغداد کا ایک مسلوب الاختیار تخت نشین تھا۔ ہزاروں شعرا۔ مجتہدین۔ اہل فن دور دراز ملکوں سے آکر وہیں پیوند خاک ہوگئے **بغداد** کے مقبروں نے جن اسلامی جوہروں کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے۔ زمانہ سینکڑوں برس کی مدت میں اُنکو پیدا کر سکا تھا۔ امام موسیٰ کاظم۔ امام ابو حنیفہ۔ امام احمد حنبل۔ حضرت جنید۔ شیخ شبلی معروف کرخی جنکو ہاتھ سے کھودینے کا خود زمانہ کو بھی افسوس رہیگا۔ یہیں کی قبرستانی آبادی میں سو رہے ہیں۔

علمی فیاضی کے لحاظ سے دیکھو۔ تو جب وہ کچھ نہیں رہا۔ اس وقت بھی تیس بڑے بڑے کالج خاص شہر کے مشرقی حصہ میں موجود تھے۔ علامہ ابن جبیر ۵۷۸ھ میں جب وہاں پہونچے تو ایک کالج کے شاندار ایوانات اور وسیع سلسلہ دیکھکر ان کو دھوکا ہوتا تھا کہ اب میں ایک مستقل آبادی میں موجود ہوں[۵۲]۔

انوری نے قصیدہ میں بغداد کی خوشگوار آب وہوا۔ دجلہ کی روانی۔ کشتیوں کی سیر باغوں کی رنگینی کا نہایت دلربا سماں دکھایا ہے اس کے چند شعر یہ ہیں۔ **اشعار**

خوشا نواحی بغداد جائے فضل وہنر	کہ کس نشاں ندہد در جہاں چناں کشور
سوادِ او بمثل چوں سپہر مینا رنگ	ہوائے او بصفت چوں نسیم جاں پرور
کنارہ دجلہ زترکان سیمتن چلخ	میان رحبہ خوباں ماہ رخ کشمر
ہزار زورق خورشید شکل بر سر آب	بر آں صفت کہ پراگندہ سپہر اختر
بشبہ باغ شود آسماں بوقت غروب	بشکل چرخ شود بوستاں بوقت سحر
بوقت شام ہمی ایں باں سپارہ وگل	پگاہ بام ہمی آں بایں دہد اختر
شگفتہ نرگس بویا۔ بطرف لالہ ستاں	چنانکہ در قدح گوہریں مئے اصفر

۵۱ دیکھو معجم البلدان ذکر دار الشجرۃ وغیرہ۔ ... صاحب کی اردو اسمائے عہد عباسیہ ۱۲ ۵۲ سفرنامہ ابن جبیر حالات بغداد ۱۲

وسعت سلطنت۔ خراج۔ بڑے بڑے اضلاع اقسام آمدنی یعنی خراج عشر زکوٰۃ جزیہ۔ فوج کی تعداد۔ تنخواہیں۔ جنگی جہازات

مامون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت وسیع سلطنت تھی جو حدود ہند و ترکستان سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی خطہ اسپین کے سوا اسکی حکومت سے آزاد نہ تھا۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہ روم گو خود سر فرمانروا تھا۔ تاہم اکثر اوقات خراج دینے پر مجبور رہتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آجکل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھا۔ مامون کی خلافت نے اسپر بہت کچھ اضافہ کر دیا تھا۔ چند مشہور اضلاع اور ہر جداگانہ خراج کا ہم ایک نقشہ درج کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خاص مامون کے سرکاری[1] کاغذات سے تیار کیا گیا ہے غالباً زیادہ تر اعتبار کے قابل ہوگا۔

خراج	اضلاع
دو کروڑ اٹھتر لاکھ درہم[2] دو سو نجرانی حلے۔ ایک خاص قسم کی مٹی جو مہر کرنے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ دو سو چالیس رطل۔	سواد
ایک کروڑ سولہ لاکھ درہم۔	کسکر
دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم۔	دجلہ کے اضلاع
اڑتالیس لاکھ درہم[3]	حلوان
پچیس ہزار درہم اور تیس ہزار رطل شکر۔	اہواز
دو کروڑ ستر لاکھ درہم۔ گلاب تیس ہزار بوتل۔ زبیب سیاہ بیس ہزار رطل۔	فارس
بیالیس لاکھ درہم۔ یمن کے تھان پانسو۔ کھجور بیس ہزار رطل۔	کرمان
چار لاکھ درہم۔	مکران
ایک کروڑ پندرہ لاکھ درہم۔ عود ہندی ڈیڑھ سو رطل۔	سندھ
چالیس لاکھ درہم۔ خاص قسم کے کپڑے تین سو تھان۔ فانیذ بیس رطل۔	سیستان
دو کروڑ اسی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوڑے۔ ایک ہزار غلام۔ بیس ہزار تھان۔ بیس ہزار رطل ہلیلہ	خراسان

[1] علامہ ابن خلدون نے اس کاغذ کو خود دیکھا تھا اور اس کے حوالہ سے یہ تفصیل نقل کی ہے دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم کی فصل ۱۸ ص ۵۲ اس تعین میں ہم نے واقعات ذیل پر اعتماد کیا ہے (۱) ہارون الرشید کے زمانہ میں سالانہ خراج سات ہزار پانسو قنطار تھا۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم (۲) ایک قنطار آٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے دیکھو معجم البلدان جلد اول صفحہ ۲۲۶ (۳) دینار

	دو ہزار نقرہ چاندی۔
جرجان	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم۔ ریشم ہزار شقہ۔
قومس	دس لاکھ درہم۔ پانچ لاکھ نقرہ چاندی۔
رے	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم۔ شہد بیس ہزار رطل۔
طبرستان و رومان	تریسٹھ لاکھ درہم۔ طبرستانی فرش چھ سو۔ چادریں دو سو۔
نہاوند	کپڑے پانسو تھان۔ مندیل تین سو۔ جامات تین سو۔
ہمدان	ایک کروڑ تیرہ لاکھ درہم۔ رب الرمانین ہزار رطل۔ شہد بارہ ہزار رطل۔
بصرہ و کوفہ کے درمیانی اضلاع	ایک کروڑ سات لاکھ درہم۔
ماسیدان و دینور	چالیس لاکھ درہم
شہر زور	سرسٹھ لاکھ درہم
موصل	دو کروڑ چالیس لاکھ درہم۔ شہد سپید دو کروڑ رطل۔
آذربائیجان	چالیس لاکھ درہم
جزیرہ معہ اضلاع	تین کروڑ چالیس لاکھ درہم۔ غلام ایک ہزار۔ شہد بارہ ہزار مشک۔
فرات	باز دس۔ چادریں بیس۔
آرمینیہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش محفور بیس۔ زقم پانسو تیس رطل۔ مسالح سورماہی دس ہزار رطل۔ صونج دس ہزار رطل۔ خچر دو سو۔ بچھیرے تیس۔
قنسرین	چار لاکھ دینار۔ زیت ہزار رطل
دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار
اُردن	ستانوے ہزار دینار
فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینار۔ زیت تین لاکھ رطل۔
مصر	انیس لاکھ بیس ہزار دینار۔
برقہ	دس لاکھ درہم
افریقہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش ایک سو بیس
یمن	تین لاکھ ستر ہزار دینار۔ متاع یمنی اس کے علاوہ
حجاز	تین لاکھ دینار۔

یہ صرف خراج کی مد سے وصول ہوتا تھا۔ جزیہ جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے اُس سے الگ ہے۔ ہر ایک

مامون نے خراج وزکوۃ وجزیہ کا جس کو آجکل کی زبان میں لگان کہتے ہیں کوئی جداگانہ قانون نہیں
بنایا تھا بلکہ اس سے پہلے عادل وفیاض جانشینان اسلام کا جو کچھ دستور العمل تھا۔ وہی اس کے عہد میں بھی بحال
رہا اس لئے ہم ان قوانین کی تفصیل بتاتے ہیں۔ مجبوراً ہم مامون کے ماقبل زمانہ پر نگاہ ڈالیں گے اور ہمکو امید
ہے کہ ناظرین خارج از بحث کا لقب نہ دینگے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مذہبی بحث سے ہم کو سروکار نہ ہوگا اور جو کچھ
لکھیں گے تاریخی پہلو سے لکھیں گے جس طرح یورپین مصنفین ہمیشہ عام واقعات کے تذکرے میں بھی جستہ جستہ
مذہب کا نام لیتے ہیں اور شاہان اسلام کے ذاتی افعال مذہب سے جدا نہیں کر سکتے۔ ایسا نہ کرینگے خراج اور عشر زمین سے
متعلق ہیں اور باقی دو ایک قسم کے ٹکس ہیں۔ جو مسلمان رعایا اور دوسرے مذہب والوں سے وصول کئے جاتے
تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مامون اور اُسکے اسلاف عام اصول سلطنت میں آنحضرت صلعم اور خلفائے
راشدین کے طریق عملی کو رہنما سمجھتے تھے اور اسی کافی وثوق کے ساتھ ہم یہ بات فرض کر سکتے ہیں کہ مامون کے
عہد کا قانون لگان وٹکس بھی تقریب قریب وہی ہوگا جو کسی زمانہ بیشتر میں تیار ہوا ہوگا۔ لیکن ہم کو یہ صاف بتا دینا
چاہیئے کہ عشر وخراج وجزیہ مصطلح معنوں میں مذہبی الفاظ نہیں ہیں اور اس لئے ہم کو اس دھوکہ میں پڑنا
چاہیئے کہ **فقہ** کی کتابوں میں ان کے متعلق جو تفصیلیں اور قاعدے مذکور ہیں وہ نصّی یا خلفاء وسلاطین اسلام کے
متفقہ اور مسلمہ عملی قاعدے ہیں بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خراج ایک تمدنی قانون کی صورت
پکڑ چکا تھا اور اس وجہ سے جیسا موقع ہوا۔ خراج عشر۔ جزیہ۔ سب کچھ وصول کیا گیا لیکن یہ دعوی کرنا فضول ہے کہ ان کے
متعلق شارع علیہ السلام نے کچھ خاص قاعدے طے کر دیئے تھے۔ عام ملکی قوانین کی طرح یہ باتیں بھی جائز تخت نشینان اسلام کی
رائے پر چھوڑی گئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ خلفاء وسلاطین کے مختلف عہدوں میں خاص خاص ملکی مصلحتیں ان
میں تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں۔ اب ہم عام طرح پر خراج وعشر کے متعلق چند قواعد بیان کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفاء کے عہد میں معمول رہے ہیں اور مامون کی خلافت میں قریب قریب اسی پر عمل درآمد
رہا (۱) جو زمین قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو۔ یا (۲) جو زمین فوج کو جس نے ملک فتح کیا ہے تقسیم کر دی گئی ہو۔
(۳) جس مقام کے باشندے فوج کشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں ان تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری
ہوگی یعنی اس کی پیداوار سے صرف دسواں حصہ وصول کیا جائیگا اور یہی اُس کا خراج سمجھا جائیگا۔

ان تینوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ **خراجی** ہے۔ عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں
ہو یا غیر قوم کے اگر کوئی شخص عشری زمین میں پرتی ڈالدے تو اُس سے کچھ نہیں لیا جائیگا۔ خراجی زمین میں
ایسا نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پرتی ڈالکر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج
دینا ہوگا جس زمین پر دکانیں بنالی جائیں وہ عموماً عشر وخراج سے معاف ہیں اگر کھیتی کو کوئی آفت پہنچے تو خراج
معاف ہو جائیگا۔ مذکورۂ بالا قسموں میں سے دو پچھلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں سواد
عراق کی بالکل پیمائش ہو چکی اور مختلف شرحوں کی جمع باندھ دی گئی تھی۔ ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا

ہونے دیتی تھی۔ بالآخر ایک قطعی رنگ پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بیدخل نہ کئے جائیں[1]۔

مصر میں بھی آپنے تاکیدی فرمان بھیجا تھا کہ اہل فوج قطعاً زمینداری و کاشت نکرنے پائیں اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی تو آپنے اُس کو پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اس نے قطعی توبہ کی اپنا قصور معاف کرالیا[2]

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جن کو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے قریب قریب یکساں متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا عشری زمین میں امام محمد و سفیان ثوری کی عام تجویز یہی ہے کہ چونکہ تشخیص لگان میں صرف زمین کی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے۔ اسلئے اس قسم کی زمین اگر ذمی کے قبضہ میں ہو تو اس سے بھی وہی عشر لیا جائیگا[3]۔ حضرت عمرؓ نے قوم تبط سے عشر ہی لیا تھا[4]۔ امام مالک گو امبار میں کسی قدر ذمیوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ تاہم اس حالت میں کہ ذمی کسی دوسرے شہر یا قصبہ میں عشری زمین خریدے ان کا فیصلہ بھی وہی ہے جو امام محمد کا ہے۔

خراج کی کوئی معین شرح نہ تھی لیکن یہ اصول عامۃً ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حالت میں نصف آمدنی سے زائد نہ لیا جائے حضرت عمرؓ نے سواد کے کل اضلاع کی پیمائش کرائی تھی جو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہرا۔ اور ذیل کی شرح سے لگان مقرر کی۔

نخلستان	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۱۰ درہم سال
انگور	"	"
نیشکر	"	۶ درہم سال
گیہوں	"	ایک درہم اور ایک صاع غلہ[5]
جو	"	ایک درہم و صاع
روئی	"	۵ درہم

مصر کا خراج بحساب فی جریب ایک دینار (یعنی پانچ روپیہ) مقرر ہوا اور عمرو بن العاص نے جو حضرت عمرؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے یہ لکھدیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جائیگا اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہیئے۔ لیکن یہ شرحیں انتہائی شرحیں ہیں اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں اکثر اوقات ان میں تبدیلیاں ہوتی رہیں حضرت علیؓ نے اور بھی تخفیف کی۔ تمام ان علاقوں میں جو نہر فرات سے سیراب ہوتے تھے بشرح ذیل لگان مقرر کی اور روئی۔ تل۔ مقاثی اور تمام قسم کے بقولات اور ترکاریوں کی زمین عموماً خراج سے معاف کر دی:۔

گیہوں کی اول درجہ کی زمین	فی جریب	ڈیڑھ درہم اور صاع غلہ
متوسط درجہ	"	ایک درہم
ادنی درجہ	"	درہم کی دو تہائی

[1] ازالۃ الخفا جلد دوم ۱۲ [2] حسن المحاضرہ جلد اول صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ [3] فتوح البلدان صفحہ ۷۵ سطر ۹ و ۱۰ - ۱۲ [4] ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۱۳۲ - ۱۲ [5] اس باب میں فتوح البلدان و ہدایہ کی روایتیں مختلف ہیں ۱۲ میں نے ہدایہ کی روایت کی ہے [6] صاع

قریباً اسی طرح کا خراج تمام ممالک اسلامی میں جاری تھا اور مسلمان و ذمی (یعنی دوسرے مذہب والے) دونوں پر یکساں اثر رکھتا تھا۔ البتہ سواد کے علاقوں میں مہدی عباسی نے لوگوں کی درخواست پر نصف کے حساب سے بٹائی کر دی تھی لیکن مامون الرشید نے ۲۰۴ھ میں یہ شرح گھٹا کر دو خمس کر دی[1]۔

خراج کا ہلکا ہونا تو اسوجہ سے تھا کہ اسلام کے جانشینوں میں ابتک اسلام کا بے حرص اور فیاضانہ اثر پایا جاتا تھا۔ اور زیادہ تر اسوجہ سے کہ ابتدائی زمانہ میں عرب کے سادہ مزاج فاتح جو اپنے بے روک ہاتھوں سے دنیا کا مرقع الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ ریگستان سے اُٹھکر گئے تھے اور جو کچھ ملجاتا تھا ان کی قانع طبیعت کیلئے کافی تھا یہ وہ لوگ تھے کہ ان میں سے جب ایک ممتاز شخص نے ایک معرکہ میں صرف ہزار درہم پر ایک نہایت دولتمند کافر سے صلح کر لی اور لوگوں نے اُن سے کہا کہ تم نے بہت سستا بیچا، تو انھوں نے نہایت تعجب سے جواب دیا کہ "ہزار سے بھی کوئی زائد عدد ہے"، اس پر خلفائے راشدین کے عہد میں یہ عام قاعدہ تھا کہ ایک مسلمان جن شرائط پر کسی قوم سے معاہدہ کر لے خلیفہ وقت کو اس کی پابندی لازم ہو گی۔ فتوحات کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو۔ سیکڑوں مثالیں پاؤ گے کہ فوج اسلام نے ایران۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام کے اضلاع میں نہایت خفیف رقم پر صلح کر لی اور خلیفہ وقت کے حکم سے وہی بحال رہی۔ دولت بنوامیہ و عباسیہ نے کچھ اضافہ کیا مگر اصل پیداوار کے لحاظ سے دیکھو تو وہ کچھ بھی نہ تھا۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ خاص تھی اور سونے۔ چاندی۔ اونٹ۔ گائے بکری سب پر جداگانہ شرحیں مقرر تھیں حقیقت میں یہ نہایت سخت ٹکس تھا جس کو اسلام نے خود اپنے اوپر گوارا کر لیا تھا۔

ذمیوں[2] پر جو جزیہ تھا گو وہ نہایت ایک حقیر رقم تھی اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں تو گویا کچھ بھی نہ تھی لیکن تعجب ہے کہ دوسری قوموں نے مسلمانوں کو تعصب کا الزام دینے میں ہمیشہ بڑے زور شور سے اسکا تذکرہ کیا ہے۔ یہ ہلکا ٹکس جس کے نام سے یورپین مصنفوں کے دلمیں مسلمانوں کی طرف سے نہایت ناگوار خیالات دفعۃً جوش مارنے لگتے ہیں زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم یعنی ۱۲ روپیہ سالانہ تھا اور یہ تعداد بڑے بڑے دولتمندوں کے ساتھ خاص تھی۔ متوسطین پر چھ روپیہ اور عام لوگوں پر تین روپیہ سالانہ تھا بشرطیکہ وہ ادا کرنے کے قابل ہوں لیکن فرمانروائے وقت کو حسب مصلحت اختیار عام حاصل تھا کہ اس کی شرح گھٹا دے یا بالکل معاف[3] کر دے۔ لڑکے۔ بوڑھے عورتیں۔ مفلوج۔ معطل العضو۔ نابینا۔ ہر حالت میں مطلقاً معاف تھے۔

کبھی کبھی بجائے فی کس کے فی گھر جزیہ مقرر ہوتا تھا اور تعداد وہی بشرح[4] سابق رہتی تھی یعنی ایک دینار یا اس سے بھی کم

---

[1] دیکھو فتوح البلدان از صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۱ [2] کامل ابن الاثیر۔ واقعات ۲۰۴ھ [3] جزیہ کی تحقیق میں کہ وہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس زمانہ سے اس کا رواج ہوا اور یہ اسلام میں کس مقصد سے اختیار کیا گیا۔ میرا ایک مستقل رسالہ ہے جو حال میں طبع ہوا ہے اور سکرٹری مدرسۃ العلوم کے پاس درخواست بھیجنے سے مل سکتا ہے نیز آخر میں اس کتاب کے وہ بھی شامل ہے ۱۲ [4] حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جرجوستہ اور اسکے قرب و جوار کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کر دیا گیا تھا دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۱۸ ماریہ قبطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دیئے گئے تھے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ [5] حضرت عثمان کے زمانہ میں نجران والوں پر اسی شرح سے جزیہ مقرر ہوا تھا۔ دیکھو فتوح

ان آمدنیوں میں سے زکوٰۃ کی رقم جو صرف مسلمانوں سے لیجاتی تھی وہ اسی لئے تھی کہ اس سے محتاج۔اپاہج۔نادار مسافر۔اور اسی طرح درماندہ لوگونکی اعانت کیجاوے۔زکوٰۃ میں یہ قید تھی کہ خاص مسلمانوں پر صرف ہو لیکن اور کسی قسم کے صدقات میں جو مسلمانوں سے لئے جاتے تھے۔کوئی تخصیص نہ تھی اور غیر مذہب والی رعایا بھی برابر بہرہ مند ہوتی تھی۔خود حضرت عمرؓ نے دمشق کے سفر میں مجذوم عیسائیوں کیلئے بیت المال کی اس رقم سے وظیفہ مقرر کردیا تھا[۱] اور ایک دوسرے موقع پر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ صدقات فقرا اور مساکین کے لئے ہیں" مساکین سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں[۲]۔باقی خراج۔عشر۔جزیہ۔پبلک کاموں یعنی سڑک۔پل۔چوکیداری تعلیم وغیرہ کے لئے خاص تھے۔فوج کا صرف بھی اسی آمدنی سے دیا جاتا تھا۔

مامون الرشید اور عموماً نیک دل بادشاہان اسلام کے عہد میں ٹکس یا محصول جو کچھ بھی کہو یہی تھا جن کا ذکر ہوا انکم ٹکس۔انڈا ایکٹری ٹکس۔جنگی ٹکس۔شفاخانہ۔مدرسانہ۔چوکیداری۔اسٹامپ کے نام سے اس زمانہ میں کوئی واقف نہ تھا۔

فوج نظامی یعنی جن کا نام و حلیہ دفتر العساکر میں قلمبند تھا۔اس کی تعداد قریباً دولاکھ سوار و پیادہ تھی۔سوار کی تنخواہ پچیس روپیہ اور پیادہ کی دس روپیہ۔جنرل کمانڈر کی تنخواہیں بھی کچھ زیادہ نہ تھیں۔لیکن ایشیائی حکومتوں میں عہدہ داروں کی نگاہ مشاہرے سے زیادہ صلوں اور انعامات پر لگی رہتی ہے جو وقتاً فوقتاً کسی خاص خوشی یا اظہار کارگذاری کے وقت اُن کو ملتے رہتے ہیں اور خصوصاً مامون کی فیاضیوں کی تو کچھ حد ہی نہ تھی۔عبداللہ بن طاہر سردار فوج کو ایک دن پانچ لاکھ درہم انعام دیئے۔ملکی عہدہ داروں میں بھی صرف وزیر اعظم ذوالریاستین کی تنخواہ بیش قرار تھی یعنی تیس لاکھ درہم ماہوار اگرچہ اور ہر قسم کے عہدے الگ الگ اور نہایت باقاعدہ اور منضبط تھے لیکن سپہ سالاری فوج جنرل کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔صوبہ کا لفٹنٹ یا قسمت کا گورنر عموماً کمانڈر انچیف اور گورنر فوج ہوتا تھا۔یحییٰ بن اکثم جو قاضی القضاۃ کے منصب پر ممتاز تھے۔مامون نے متعدد بار اُن کو فوج کی افسری دی تھی۔اصل یہ ہے کہ اسوقت سپہ گری مسلمانوں کا عام جوہر تھا۔اسی لئے کسی شخص کا اہل قلم ہونا اس کو صاحب العلم ہونے کے قابل نہیں کرتا تھا۔

دوسری قسم کی فوج متطوعہ تھی جس کو والنٹیر کہنا چاہیئے۔اس قسم کی فوج وقت پر جس قدر درکار ہو تیار ہوسکتی تھی۔خصوصاً جہاد کی پُرزور صدا گونجنے کے وقت تو سارا ملک اُمنڈ آتا تھا۔فوج کو سواری اور ہتھیار سرکار سے ملتا تھا اور خزانہ شاہی میں ہر قسم کے اسلحہ جنگ نہایت افراط سے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد ۱۹۳ھ میں جب خزانۃ السلاح کا جائزہ لیا گیا تو مفصلہ ذیل تعداد کے اسلحہ موجود تھے[۳]۔

مطلاو مذہب تلواریں	۱۰ ہزار	شاکریہ و غلاموں کے لئے	۵۰ ہزار
نیزے	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	کمانیں	ایک لاکھ
مطلا زرہیں	ایک ہزار	عام زرہیں	ایک ہزار
خود	بیس ہزار	جوشن	بیس ہزار

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۹ [۲] ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۷۳-۱۳۰ [۳] دیکھو ثمار الاوراق برحاشیہ مستطرف جلد ۱ صفحہ ۲۷ [۴] مقدمہ

عام قسم کے زین	تیس ہزار

جنگی جہازات کی ابتدا اگرچہ عبد الملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ نے کی تھی اور اسی کے زمانہ میں حسان بن نعمان گورنر افریقہ کے اہتمام سے تونس میں جنگی جہازات اور آلات بحری کی تیاری کا ایک بڑا محکمہ قائم ہوا تھا لیکن مامون کے عہد میں اس کو بہت کچھ ترقی ہوئی جزیرہ سسلی کی فتح کے لئے سو جنگی جہاز مع بہت سے بحری سامان کے جو بھیجے گئے تھے وہ اسی کارخانہ سے تیار ہوئے تھے آتش اندازی کیلئے چھوٹے چھوٹے جہاز ہوتے تھے جنکو عربی میں حراقہ کہتے ہیں۔ ان سے روغن نفط (گریک فائر) کے شیشے بھر بھر کر مارتے تھے جو دشمن کے جہازوں میں آگ لگا دیتے تھے اور خود پانی سے بھی بجھ نہیں سکتے تھے۔

ملک کی آبادی۔ امن و امان۔ مامون کی بیدار مغزی اور جزئیات پر اطلاع۔ عدل و انصاف۔ غیر قوموں کے حقوق

دولت عباسیہ کے امن و انتظام۔ ترقی اور وسعت کے فسانے جو روز ہم سنتے رہتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو ہارون و مامون کے ہی عہد حکومت نے اس خاندان کو یہ ناموری دی ہے۔ تجارتیں تمام آزاد تھیں نئے نئے شہر آباد ہوتے جاتے تھے ایک ایک قصبہ بلکہ گاؤں تک میں چشمے اور نہریں جاری تھیں۔ جو حاکمان اضلاع اور زمیندار و جاگیرداروں کے ذاتی مصارف سے ہمیشہ بنتی رہتی تھیں اور جن کی وجہ سے زراعت کو روز افزوں ترقی حاصل تھی۔

مامون نے سلطنت کے بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کیا۔ اور ہر جگہ دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات جاری کئے ۲۰۲ھ میں جب مرو سے عراق کو روانہ ہوا سرخس۔ طوس۔ ہمدان۔ جرجان۔ قروان۔ رے اور دوسرے اضلاع میں ہفتوں قیام کیا۔ اور ملک کے اصلی حالات سے واقفیت پیدا کی علامہ مقریزی نے کتاب الحفظ والآثار میں لکھا ہے کہ جب مامون نے مصر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تو ہر گاؤں میں کم سے کم ایک رات دن ٹھہرتا گیا۔ مقام طار النمل میں پہونچا تو معمول کے خلاف وہاں قیام نہیں کیا اور آگے بڑھا۔ اس گاؤں کی مالک ایک بڑھیا تھی۔ یہ خبر سنکر مامون کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ محرومی میری ہی قسمت میں کیوں لکھی تھی۔ مامون اسکا مہمان ہوا۔ اس نے اپنی حیثیت کے موافق دعوت کا سامان کیا اور رخصت کے وقت دس تھیلی اشرفیاں ایک ہی سنہ کے سکہ کی نذر میں پیش کیں۔ مامون حیرت میں رہ گیا اور کہا کہ دعوت کیا کم تھی تم نے یہ تکلیف کیوں گوارا کی جس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے۔

بڑھیا نے کہا کہ سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے اور اس لئے ہم لوگوں میں اسکی کچھ قدر نہیں ہے میں نے جس قدر حضور کی خدمت میں حاضر کیا ہے اس سے بہت زیادہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔

اس حکایت سے مامون کے حسن انتظام اور ملک کی مرفہ الحالی دونوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ہو اس مقام کا حاکم یا اس کو کوئی کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دے۔

مامون نے خراسان کے زمانہ حکومت میں غفلت کی تھی اُسکا خمیازہ مدت تک کھینچنا پڑا تھا اس لئے بغداد میں آکر اس کا طرز حکومت بالکل بدل گیا۔ اب اُسکو ایک ایک جزئی واقعہ اور عام حالات کی اطلاع کا کچھ عشق ہو گیا۔ کہ سن کر تعجب ہوتا ہے۔ سترہ سو عجوزہ عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چٹھا اُسکو پہنچاتی تھیں[1] لیکن مامون کے سوا اور کسی کو ان کے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی ہر ضعیفہ پر جداگانہ خفیہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے[2]۔ اور ملک کا کوئی ضروری واقعہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے اس قسم کی کاوش کا جو عام اثر ہوتا ہے یعنی ہر شخص سے بدگمان ہو جانا اور عوام کی آزادی سے تعرض کرنا۔ مامون اس سے بالکل بری تھا۔ اس کی تاریخ زندگی کا ایک ایک حرف چھان ڈالو۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملسکتا جس سے اُس کی اُس کارروائی پر حرف آسکے۔ بخلاف اس کے اس محکمہ نے رعایا کے حق میں عجیب عجیب فیاضیاں دکھائیں۔

ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا وہ دردناک آواز سے چلایا " واعمراہ یعنی ہائے عمرؓ تم کہاں ہو" مامون کو اطلاع ہوئی اُس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمرؓ کا عدل تجکو یاد آیا۔ اُس نے کہا ہاں۔ مامون نے کہا " خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمرؓ کی سی رعیت ہوتی تو میں اُن سے بھی زیادہ عادل ہوتا۔ پھر اُس کو کچھ انعام دلایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا[3]۔

ایک بار ایک شخص نے عرضی دی کہ بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جائے مامون نے بلا کر پوچھا کتنے بال بچے ہیں۔ اُس نے بڑھا کر تعداد بتائی۔ چونکہ مامون ایک ایک جزئی واقعہ کی خبر رکھتا تھا۔ اس کا جھوٹ نہ چل سکا دوسری بار اُس نے پھر عرضی لکھی اور جو تعداد تھی سچ سچ بتا دی مامون نے اب عرضی پر لکھدیا کہ اسکا روزینہ مقرر کر دیا جائے[4]۔

اتوار کے دن ہمیشہ صبح سے ظہر تک دربار عام کرتا تھا جس میں خاص و عام کسی کے لئے روک نہ تھی اور جہاں پہونچکر ہر ایک کمزور مزدور کو اپنے حقوق میں خاندان شاہی کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ ہوتا تھا۔

ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا نے دربار میں آکر زبانی یہ شکایت پیش کی کہ ایک ظالم نے میری جائداد چھین لی ہے۔ مامون نے کہا، کس نے اور کہاں ہے" اس نے اشارہ سے کہا " آپ کے پہلو میں" مامون نے دیکھا تو خود اس کا بیٹا عباس تھا۔ وزیر اعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر لیجا کر کھڑا کر دے۔ اور دونوں کے اظہار سنے شہزادہ عباس رُک رُک کر آہستہ گفتگو کرتا تھا لیکن بڑھیا کی آواز بیباکی کے ساتھ بلند ہوتی جاتی تھی۔ وزیر اعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے مامون نے کہا نہیں جسطرح چاہے آزادی سے کہنے دو۔ سچائی نے اُس کی زبان تیز کر دی ہے اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے آخر مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور جائداد واپس دلا دی گئی[5]۔

مامون کی آزاد پسندی نے اُسکے عمال کو بھی اصول انصاف پسندی میں نہایت آزاد اور بیباک کر دیا تھا۔ ایک بار

---

[1] آثار الدول قرمانی خلافت مامون [2] ابن خلکان ترجمہ فراء نحوی ۱۲ [3] عیون الحدائق [4] رسالہ حکم و آداب صفحہ ۶۰۔

[illegible] قاضی القضاۃ نے مامون سے کہا کہ یہاں آپ اور مدعی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے کچھ بُرا نہ مانا بلکہ اُسکے صلہ میں قاضی القضاۃ کی تنخواہ اضافہ کردی۔

مامون کی فیاض لائف پر اگر نکتہ چینی ہوسکتی ہے تو یہ ہوسکتی ہے کہ اسکا رحم و انصاف اعتدال کی حد سے آگے بڑھ گیا تھا جس کا یہ اثر تھا کہ اس نے اپنے ذاتی حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ بد زبان شعرا اسکی ہجوئیں لکھتے تھے مگر متغیر نہ ہوتا تھا۔ خود اس کے خدام گستاخیاں کرتے تھے لیکن اسکو مطلقاً پروا نہیں ہوتی تھی دعبل[1] نے ایک ہجو میں اس کی نسبت لکھا ہے:-

شادوا ابن کرا بعد طول خموله واستنقذوك من الحضيض الاوهد

یعنی میری قوم نے تیرے نام کو جو بالکل بجھا ہوا تھا شہرت دیدی اور تجکو پستی سے نکال کر بلندی پر بٹھا دیا۔"

مامون نے یہ ہجو سنی تو صرف یہ کہہ دیا" دعبل کو ایسی غلط بات کہتے ذرا شرم نہیں آئی۔ میں گمنام کس دن تھا۔ پیدا ہوا تو خلافت کے آغوش میں پیدا ہوا دودھ پیا تو اُسی کی چھاتیوں کا پیا"[2]

ایک دن مامون کا چچا ابراہیم شاکی ہوا کہ دعبل کی ہرزہ زبانیاں حد سے گذر گئیں میری ایسی بُری ہجو لکھی ہے جو کسی طرح درگذر کے قابل نہیں۔ ابراہیم نے اس ہجو کے کچھ اشعار بھی سُنائے۔ مامون نے کہا "چچا جان اس نے میری ہجو اس سے بڑھکر لکھی ہے اور چونکہ میں نے درگذر کی امید ہے کہ آپ بھی ایسا ہی کرینگے دعبل کی بیہودہ گوئی سے سارا دربار نالاں تھا۔ ابو سعید مخزومی نے چند بار مامون کو بھڑکایا کہ آخر درگذر کہانتک" مامون نے کہا "اچھا اگر بدلا ہی لینا ہے تو تم بھی اُسکی ہجو لکھ دو مگر صرف یہ لکھو کہ دعبل لوگونکی ہجو میں جو کچھ کہتا ہے غلط کہتا ہے"

مامون اکثر کہا کرتا تھا کہ مجکو عفو میں جو مزہ آتا ہے۔ اگر لوگ جان جائیں تو جرم اور نافرمانی کو میرے پاس تحفہ لیکر آئیں۔ مختلف وقتوں میں وزرا۔ خاندان خلافت۔ حکام۔ عمال کی شکایت میں دادخواہوں نے جو عرضیاں دی ہیں اور مامون نے اُن پر اپنے خاص لفظوں میں احکام لکھے ہیں۔ ان میں سے چند اس موقع پر نقل کرتے ہیں عرضیوں کی عبارت سے چنداں ہم کو غرض نہیں صرف یہ بتادیں گے کہ کس کی نسبت تھی۔ لیکن جو احکام ہیں وہ مامون کے خاص الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابن ہشام کی نسبت	شریف کی یہ پہچان ہے کہ اپنے سے بڑے کو دبائے اور چھوٹے سے خود دب جائے تم کس میں ہو؟
ہشام کی نسبت	جسوقت تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تیرا شاکی موجود ہوگا تجکو میرے دربار میں رسائی نہ ہوگی؟
ابو عباد کی نسبت	اے ابو عباد حق اور باطل میں کچھ رشتہ نہیں ہے۔
ابو عیسٰی کی نسبت جو مامون کا بھائی تھا	فاذا نفخ في الصور فلا انساب بينهم یعنی جب نفخ صور ہوگا تو نسب جاتے رہیں گے

[1] ایک زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا اور ہجوگوئی میں مشہور تھا ۱۲ [2] تاریخ الخلفا سیوطی و ابن خلکان ترجمہ عبل ۱۲

حمید طوسی کی نسبت	اے حمید مقرب درگاہ پر نہ پھولنا۔ حق میں تو اور کمینہ غلام دونوں برابر ہیں۔
ابن الفضل طوسی کی نسبت	تیرا بے تمیز اور درشت خو ہونا تو مینے گوارا کر لیا لیکن رعایا پر ظلم کرنا تو نہیں برداشت کر سکتا ہوں۔
عمرو بن مسعدہ کی نسبت	اے عمرو اپنی دولت کو عدل سے آباد کر۔ ظلم تو اُس کا ڈھا دینے والا ہے۔

اس موقع پر جب ہم مامون کے عدل و انصاف کی داستان سنا رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اس کے عہد خلافت کی مسلسل بغاوتوں پر ایک اجمالی مگر دقیقہ بین نگاہ ڈالیں کیونکہ عام خیال بانصاف اور بغاوت کو بمعہ نہیں کر سکتا۔ مامون کی تاریخ اس قسم کی ناگزیر معرکہ آرائیوں سے مملوء ہے لیکن جو کچھ ہوا اتفاق واقعات کا نتیجہ تھا۔ ورنہ اس خصوص میں اس کا دامن انصاف ہر قسم کے زاغ سے پاک ہے:۔

ہارون الرشید کا دربار دو مختلف قوتوں یعنی **عرب و ایرانی** نسل سے مرکب تھا۔ یہ وراثت اُسکے دونوں بیٹے مامون و امین میں آکر منقسم ہو گئی۔ مامون ماں کی طرف سے عجمی تھا اسکا وزیر بھی ایک نو مسلم مجوسی تھا تقسیم کی رُو سے مُلک کے جو صوبے ملے وہ بالکل عجم کے حصے تھے۔ ان باتوں کا لازمی اثر تھا کہ گروہ عرب کو مامون کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ ہو۔ امین سے جب معرکے شروع ہوئے تو وہ قطعاً ہمت ہار چکا تھا لیکن **ذوالریاستین** جو اس کا ندیم اور وزیر تھا۔ ثابت قدم رہا اور اپنے حسن تدبیر سے آخر کامیاب ہوا۔

مامون نے بے شبہ اُسکے صلے میں اعتدال سے بڑھکر مراعات کی اور اس کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا اسی بات پر عرب کا گروہ بگڑ گیا لیکن مامون کو اس وجہ سے اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو سکی کہ ذوالریاستین کے اقتدار نے اصل حالات سے مطلع ہونے کے تمام ناکے بند کر دیئے تھے۔

سادات جو خلافت کو اپنا ازلی حق سمجھتے تھے۔ ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے ہر طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور تمام ملک ہلا دیا اس حالت میں اگر کسی سے ہمدردی کی توقع ہو سکتی تھی تو وہ صرف عباسی خاندان تھا لیکن مامون نے حضرت **علی رضا** کو ولیعہد بنا کر یہ بات بھی کھو دی مدت تک بغاوت کا سلسلہ قائم رہا۔ اور اس وجہ سے طول پکڑ گیا کہ سادات پر مامون کسی قسم کی سختی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یوں ہی نرم دل اور فیاض طبع تھا اسپر شیعہ پن کے پرتو نے اور بھی سادات کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ ان باغیوں پر قابو پاتا تھا اور چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن وہ اور بھی شوخ اور تیز ہو جاتے تھے۔

اس سلسلہ کے علاوہ اور جو بغاوتیں ہوئیں وہ ایسی عام بغاوتیں ہیں جیسے کہ شخصی حکومتوں میں ہوا کرتی ہیں ہمکو ایشیا کی کوئی سلطنت ایسی نہیں معلوم ہے جہاں آئے دن ایسے معمولی فتنے نہیں اُٹھا کرتے۔ اسکے ساتھ ہمکو یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ اُسوقت رعایا سے ہتھیار لے لینے کا کوئی قانون نہ تھا اور اسوجہ سے سلطنت اور رعایا کی قوت ایک حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھی۔ ان سب پر اتنا اور مستزاد کرنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے بغاوت کے علم بلند کیئے وہ اکثر عرب کی قوم سے تھے جو آجتک اطاعت کے حلقے سے آزاد رہتی آئی ہے۔ اور شاید ہمیشہ ایسی ہی آزاد رہیگی۔ شاید ایک معترض نہایت آسانی سے مامون پر یہ الزام لگائے کہ ذوالریاستین جس نے مامون کی بنیاد حکومت

کا اجتماع ناممکن ہو گیا تھا۔ مامون نے بے شبہہ ذوالریاستین کو خلافت کی نذر کر دیا۔ اب اگر یہ الزام کی بات ہے تو ہم مامون کو اس سے نہیں بچا سکتے۔ ہاں اس کا جواب ہمارے پاس بھی نہیں کہ ذوالریاستین کے قاتلوں کو اس نے کیوں قتل کرا دیا شاید پالیسی کے وسیع قانون میں یہ باتیں جائز رکھی گئی ہوں +

ایکبار مامون نے احمد بن داؤد سے مخاطب ہو کر ایک نہایت پولٹیکل تقریر کی تھی جسکا اس موقع پر نقل کرنا نہایت موزوں ہے۔ اُس نے کہا کہ "بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو باتیں کر گزرتا ہے عوام ہرگز اس کا انصاف نہیں کر سکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر یا نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں اُنکے بار سے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہو سکتی۔ وہ بے تکلف رائے لگا لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد یا تنگدلی کیوجہ سے کیا لیکن ان کو کیا معلوم ہے کہ اُسکے بعض افعال خود سلطنت کے خانہ براندازہیں اب بادشاہ دو مجبوریوں میں گھر جاتا ہے۔ نہ اس راز کو عوام پر ظاہر کر سکتا ہے نہ اس وزیر یا نائب سے درگزر کر سکتا ہے۔ مجبورانہ وہ کر گذرتا ہے جو ظاہر میں نہ کرنا چاہیئے وہ جانتا ہے کہ عوام تو کیا خواص بھی اسکو معذور نہ رکھیں گے۔ لیکن ضرورت کسی نکتہ چینی کی پروا نہیں کر سکتی ہے" شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد میں بھی پوری قوت کے ساتھ قائم تھا۔ لیکن وہ اس بدعت کا موجد نہیں ہے اور اگر اُس کی چلتی تو اس حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہو جاتا۔ بنو امیہ اور عباسیہ دونوں نے اس طریق عمل سے خلافت اسلام کو خاندانی ترکہ قرار دیا تھا۔ مامون پہلا شخص ہے جس نے اس جابرانہ قانون کو مٹا دینا چاہا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس نے بڑی تحقیق اور تجربہ کے بعد ایک ایسے برگزیدہ شخص کو ولیعہدی کیلئے انتخاب کیا جو خاندان شاہی سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ خاندان عباس اُن کے ساتھ ایک موروثی رقابت کا خیال رکھتا تھا۔ یہی بات تھی کہ اُن کے انتخاب پر آل عباس دفعتہً برہم ہو گئے۔ اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہو گئیں تاہم مامون نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رُو سے اُسکو کرنا چاہیئے تھا۔

جب اُن کو زہر دیدیا گیا اور مامون کو پورا تجربہ ہو گیا کہ جو خاندان ڈیڑھ سو برس سے خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہیں آسکتا تو مجبورانہ اُس نے بھی وہی کیا جو اُس کے اسلاف کرتے آرہے تھے تاہم اس بات سے کہ اُس نے اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت بھی رکھتی تھی۔ اپنے بھائی کو منتخب کیا ایک ایسی عالی حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو تمام تاریخ اسلام میں بے نظیر ہے گو مامون کی اولاد خلافت کے قابل تھی مگر اس میں شک نہیں کہ اس کا لائق بھائی جو اپنے عہد میں معتصم باللہ کے لقب سے پکارا گیا۔ قابلیت سلطنت کے لحاظ سے حق فائق رکھتا تھا۔

مامون کے عہد میں دوسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے۔ مہذب سے مہذب گورنمنٹ میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ یہود۔ مجوسی۔ عیسائی۔ لامذہب سب اُسکی وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے بسر کرتے تھے خاص دار الخلافت بغداد میں بہت سے گرجے اور جرچ نئے تعمیر ہوئے موجود تھے جنمیں رات دن ناقوس کی صدائیں

وتوقیر سے پیش آتا تھا۔ جبرئیل بن بختیشوع جو ایک عیسائی فاضل تھا اسکی اسقدر توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دیدیا تھا کہ جو شخص کسی ملکی عہدہ پر مقرر کیا جائے پہلے جبرئیل کی خدمت میں حاضر ہو[1]۔

خراسان میں جو کالج بنوایا تھا اسکا پرنسپل یعنی مہتمم اعظم ایک عیسائی کو مقرر کیا جسکا نام یسوع[2] تھا اس کی بے تعصبی کے ثبوت کیلئے ہم ذیل کی حکایت کافی سمجھتے ہیں جس کی نظیر آج بھی کسی مہذب ملک میں نہیں مل سکتی عبدالمسیح بن اسحاق کندی جو ایک عیسائی عالم اور معزز ملکی عہدہ پر ممتاز تھا مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا اس ہاشمی نے عبدالمسیح کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھا کہ "اگر آپ مذہب اسلام قبول کرلیں تو خوب ہو۔ مجکو افسوس ہے کہ ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا کہ اسلام ہے ابتک آپ مائل نہیں ہوئے ہیں" اس خط کے جواب میں عبدالمسیح نے جو لکھا کوئی شخص جب تک خود نہ دیکھے اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ اس برگزیدہ رہنمائے خلق یعنے محمد مصطفےٰ صلعم اور قرآن مجید وصحابہ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سنکر دل کانپ جاتا ہی۔ یہ پورا خط جو ایک رسالہ کی شکل میں بمقام لندن مطبع گلبرٹ اور رونگٹن تھوڑے دن ہوئے چھاپا گیا ہے۔ مینے خود اس کو دیکھا اور ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ دیکھنے کے وقت ایک ایک حرف پر میرا دل لرز جاتا تھا۔ اگر آج عبدالمسیح زندہ ہوتا تو تعزیرات ہند کے اثر سے کبھی نہ بچ سکتا۔ مامون کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اس نے پڑھکر صرف یہ کہا کہ جو مذہب دنیا کے کام کا ہے وہ زردشت کا مذہب ہے۔ اور جو مذہب آخرت کیلئے مفید ہے وہ عیسائی مذہب ہے لیکن دین و دنیا دونوں کے لئے جو مذہب موزون ہے وہ اسلام ہے۔ ان باتوں پر بھی مامون کی تاریخ کو ہم بے داغ نہیں کہہ سکتے۔ ہم کو ڈر ہے کہ آگے چلکر جہاں مامون کے مذہب کا ذکر آئیگا ایک خاص مسئلہ میں اس کا مذہبی جنون دیکھکر شاید ناظرین اس کی تمام خوبیاں دفعۃً بھول جائیں +

افسوس ہے کہ اس پر بھی یورپین مصنفین کو تسکین نہیں ہے اور وہ تاریخی تصنیفات میں بھی ہمیشہ بادشاہان اسلام پر ایسے طریقے سے حملہ کرجاتے ہیں جس کی اصلی زد اسلام پر پڑتی ہے۔ ناواقف مورخین ایک طرف مسٹر پام صاحب جن کی عربیت کا ہم کو بھی اعتراف ہے اور جن کی نظم ونثر عربی وفارسی کا مجموعہ حال میں چھپا ہی۔ تاریخ ہارون الرشید کے صفحہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں کہ اُس کے بیہودہ درباریوں نے یہ بات اس کے ذہن نشین کردی تھی بلکہ کل پیرو اسلام اس بات کو اُس وقت اور کچھ مسلمان اب بھی سمجھتے ہیں کہ کافر کو خدا کی مخلوق ہی نہیں کہا جاسکتا۔

ہم نہیں جانتے کہ پام صاحب کو ایسے محیط اور عام اتہام کی جرأت اپنی عامیانہ تاریخ دانی پر کیونکر ہوئی۔ جس تاریخ پر اُن کو ناز ہے وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ پام صاحب اگر یہ بات یاد رکھتے تو اچھا ہوتا کہ جب خدا کی دنیا مسلمان فتحمندی کے ہاتھ میں دیدی گئی تھی تو جن لوگوں نے ہزاروں لاکھوں چرچ اور گرجوں کی حفاظت کا قطعی معاہدہ لکھدیا وہ خلفائے راشدین تھے جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کے رہنمائے کل مانے گئے ہیں کیا عمر بن عبدالعزیز جنھوں نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو اضافہ کرلیا تھا وہ ڈھادیا جائے اور عیسائیوں کو اجازت دی جائے کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنالیں[3]" عمر ثانی نہیں تسلیم کئے گئے ہیں کیا وہ لاکھوں کروڑوں

...ہیں تعمیر ہوئے جہاں نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کیجاتی تھیں۔ ہم پامر صاحب کے ہمخیال
مصنفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ان کو شبہہ ہو تو دیر الروم - دیر اشمولی - دیر الثعالب - دیر ورثا - دیر
درماس - دیر سمالو - دیر غداری - دیر العارصیہ - دیر الرقبیہ دیر زندرود کے حالات معجم البلدان میں پڑھیں[1]۔
عضد الدولہ دیلمی کہ دیلمی خاندان سرتاج خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا اسکا وزیر اعظم نصر بن ہارون
ایک عیسائی رئیس زادہ تھا اسی نے عضد الدولہ کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں چرچ اور گرجے تعمیر کرائے[2]۔
بے شبہ مسلمانوں میں ایسے بھی تنگدل لوگ گذرے ہیں جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو صدمہ پہنچاتے تھے
لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں اور ان سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ علی بن سلیمان گورنر مصر نے
مصر کے تمام گرجے ڈھا دیئے تھے لیکن اسی کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے جو خاندان عباسی
سے تھا اور ۱۷۱ھ میں مصر کا گورنر مقرر ہوا تھا خاص سرکاری خزانہ سے کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرائے۔
مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں کون گورنمنٹ اس سے بڑھکر دیسکتی ہے۔

ذوق علمی بیت الحکمۃ زمین کی پیمائش فلسفہ کے ترجمے علوم کی اشاعت

اگرچہ خاندانی جھگڑے پُرزور بغاوتیں - روم کی مہمات - بار انتظام - اتنے کام تھے جو مامون کے روزانہ اوقات
اور دل و دماغ کو مصروف رکھتے تھے۔ تاہم اُسکے علمی ذوق پر غالب نہیں آسکتے تھے۔ جب وہ مصر گیا تو ایک شخص نے
اُسکو مبارکباد دی کہ آج عراق - حجاز - شام - مصر - سب آپکے زیر نگیں ہیں اور رسول اللہ کے ابن عم ہونے کا
شرف ان سب پر مستزاد ہے۔ مامون نے کہا ہاں مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شائقین حدیث جمع ہوں
اور مستملی میرے سامنے بیٹھا ہو اور کہے کہ ہاں وہ کیا حدیث ہے۔ میں بیان کرنا شروع کروں کہ حماد نے یہ روایت
کی "الخ۔ بچپن میں وہ اسلامی علوم کو حد کمال تک حاصل کر چکا تھا۔ اب فلسفہ پر مائل ہوا اور دن رات اسی تذکرہ
میں بسر کرتا تھا۔ اُسکے علمی ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُسکی آستینوں پر اقلیدس کے مقالے
اولی کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوا تھا۔ کیونکہ یہ شکل اس کو نہایت مرغوب تھی اسیوجہ سے عربی میں پانچویں شکل کو
مامونی کہتے ہیں غالباً مامون کے سوا اور کسی بادشاہ اسلام کو یہ فخر نہیں حاصل ہے کہ اُسکے نام سے کوئی علمی اصطلاح قائم ہوئی ہو
ہارون الرشید کا قائم کیا ہوا بیت الحکمۃ موجود تھا جسمیں پارسی - عیسائی - یہودی - ہندو مترجمین نوکر
موجود تھے۔ اور فنون حکمت کے متعلق تصنیف اور ترجمے کرتے رہتے تھے۔ لیکن اب تک جو سرمایہ جمع ہوا تھا وہ
مامون کے شوق علمی کیلئے کافی نہ تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما ہے مامون نے
نزدیک جاکر پوچھا "آپ کا اسم مبارک" تخت نشین نے کہا "ارسطو" مامون پر خوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی
پھر عرض کیا کہ "حضرت دنیا میں کیا چیز اچھی ہے" ارسطو نے جواب دیا "جسکو عقل اچھا کہے"۔ دوبارہ مامون

[1] بغداد میں اعلیٰ یہ تھے اور بہت گرجے تھے لیکن ہمنے مشہور اور ممتاز گرجوں کے نام لکھے ہیں بعض گرجے خاص خاص تہواروں کیلئے مخصوص تھے

مامون یوں ہی فلسفہ پر مٹا ہوا تھا - ارسطو کی زیارت نے اور بھی آگ پر روغن کا کام دیا اُس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جسقدر تصانیف مل سکیں دار الخلافہ کو روانہ کی جائیں ؎ یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہ اسلام کے معمولی خطوط قیصر وفغفور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے قیصر تعمیل ارشاد پر مستعد ہوا مگر روم کے اطراف میں فلسفہ خود گمنام ہو چکا تھا بڑی تلاش سے ایک راہب ملا جس نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانہ سے مقفل ہے اور جتنے تاجدار اُسکے بعد تخت نشین ہوئے قفلوں کی تعداد بڑھاتے گئے قسطنطین نے فلسفہ کی تمام کتابیں ہر جگہ سے جمع کر کے اس مکان میں بند کرادی تھیں کہ اگر فلسفہ وحکمت آزادی دیں تو عیسوی کو سخت صدمے اُٹھانے پڑینگے۔

راہب کی ہدایت پر یہ پُر خطر خزانہ کھولا گیا - تو بہت سی کتابیں محفوظ ملیں لیکن قیصر کو اب خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کیساتھ ایسی فیاضی مذہبًا ممنوع تو نہ ہو - ارکان دولت نے متفق اللفظ عرض کیا کہ کچھ مضائقہ نہیں -

---

ملہ تاریخ ابن خلکان وفوات الوفیات میں ہم بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں جو مختلف وقتوں میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں - آغاز اسلام سے عبد الملک بن مروان کی سلطنت تک شام وعراق کا دفتر رومی و فارسی زبان میں رہا اور اتنی وسیع مدت تک خراج کے محکمہ میں عمومًا دوسری ہی قومیں سیاہ وسپید کی مالک تھیں - اکبر وجہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے - عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بے تعصبی کی شہادت ملیگی سینکڑوں عیسائی اور یہودی علماء جو عباسیوں کے دربار میں تھے ان سے خلفاء کس بے تکلفی اور یگانگت سے ملتے تھے - جبرئیل جو ایک عیسائی فاضل تھا اسکو ہارون الرشید نے علاوہ بے انتہا جاگیروں اور صلوں کے یہ عزت دی تھی کہ دربار میں جو شخص کوئی حاجت پیش کرنی چاہتا تھا اسکو پہلے جبرئیل کی خدمت میں باضابطہ حاضر ہونا پڑتا تھا - اسکا بیٹا بختیشوع جاہ ومنزلت کے اس پایہ تک پہنچا کہ لباس آرائش میں خلیفہ متوکل باللہ کا ہمسر گنا جاتا تھا خلیفہ المعتصم باللہ حکیم سلمویہ کی بیماری میں خود عیادت کو جاتا تھا اور جب اس نے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اسکا جنازہ دار الخلافت میں لاکر رکھا جائے - اور اس کے عزیز بخور وشمع کیساتھ عیسائیوں کے طریقہ کے موافق اسپر نماز پڑھیں خلیفہ معتصم باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزراء اور امراء دست بستہ کھڑے رہتے تھے - صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرہ کو جو ایک صابی المذہب عالم تھا - بیٹھنے کی اجازت تھی - ایک دن معتضد اور ثابت بن قرہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر ٹہل رہے تھے کہ دفعةً معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا ثابت ڈر گیا معتضد نے کہا ڈرو نہیں میرا ہاتھ اوپر تھا میں نے یہ گستاخی پسند نہ کی کہ اہل قلم کا ہاتھ اوپر چاہیے ؎ ابتدا میں مسلمانوں نے ان ہی قوموں سے علوم وفنون سیکھے اور جب خود استادی کے رتبہ پر پہونچے تو کس سیر چشمی اور فیاضی سے ان کو علوم وفنون کی تعلیم دیکر شاگردی کا حق ادا کیا -

انکا باہمی اخلاص اور آپس کی گرمجوشیاں آج بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں - علامہ شریف الرضی نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے کے پیشوائے مذہبی ہیں - ابو اسحٰق صابی کا ایسا حسرت انگیز مرثیہ لکھا کہ اگر اس کا ہم مذہب اور نہایت دلی دوست بھی لکھتا اس سے زیادہ درد انگیز اور پُر اثر نہ لکھ سکتا اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ علامہ موصوف جب کبھی ابو اسحاق صابی کے مزار کی طرف گذرتے تھے تو ہمیشہ اسکی تعظیم کیلئے سواری سے اتر پڑتے اور اسکی قبر کے سامنے سے پیادہ پا گذرتے { دیکھو نامہ دانشوران ناصری تذکرہ ابو اسحٰق صابی ۱۲

ہم کو افسوس ہے کہ اس ضمنی بحث کو ہم نے سمیٹ کر لکھا - تاہم موقع اور مقام کی حیثیت سے زیادہ لکھ گئے - ناظرین معاف فرمائیں - لیکن یہ خیال رکھیں کہ ہماری اس بحث کے مخاطب صرف پامر صاحب نہیں ہیں یورپ میں ان کے اور

لادکر خاص فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس روانہ کیں۔ مامون نے تصنیفات ارسطو کے ترجمہ پر یعقوب بن اسحٰق کندی کو مامور کیا جو مختلف زبانوں کے جاننے اور تحقیقات علمی میں عموماً بے نظیر مانا جاتا تھا۔ مامون نے خود بھی حجاج بن المطر یوحنا ابن البطریق۔ سلما کو کہ بیت الحکمۃ کے مہتمم اور افسر تھے اس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام۔ سیپرس اور دوسرے مقامات میں قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کئے کہ جسقدر صرف اور جسقدر ممکن ہو فلسفی تصنیفات بہم پہنچائیں اسی زمانہ میں قسطا ابن لوقا ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا اور فنونِ حکمت کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں۔ مامون کو اسکا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا اور بیت الحکمۃ میں ترجمے کے کام پر مقرر کیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا۔ مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمے کی خدمت دی۔

مامون کی التفات اور توجہ دیکھکر تمام دربار میں جوش پھیل گیا۔ محمد و احمد حسن نے جو مامون کے خاص ندیم۔ ہندسہ حیل موسیقی میں استادِ فن مشہور تھے۔ روم کے اطراف میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنونِ حکمیہ کی ہزاروں کتابیں منگائیں۔ دور دراز ملکوں سے مترجم بلوائے اور بیش قرار مشاہروں پر ترجمہ کرنے کے لئے نوکر رکھا۔ جبرئیل بن بختیشوع المتوفی ۲۱۵ھ جو ایک عیسائی طبیب اور دربارِ خلافت کا بڑا رکن تھا اس نے بھی ترجمے کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں۔ ہارونی و مامونی فیاضیوں نے مال و دولت کے اعتبار سے اسکو ایک مستقل والیِ ملک بنا دیا تھا[1]۔

اس عہد میں جن کتابوں کے ترجمے ہوئے وہ یونانی۔ فارسی۔ کالڈی قبطی۔ شامی۔ زبانوں کی تھیں۔

جن بادشاہوں سے دوستانہ تعلق تھا۔ چونکہ مامون کا میلان طبیعت اسی طرف پاتے تھے۔ اسی مذاق کے تحف وہدایا بھیجتے تھے۔ ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنی ریاست کے مشہور حکیم **دوبان** کو اسکی خدمت میں بھیجا اور خطوں میں لکھا کہ جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ دنیا میں اس سے بڑھکر مفید اور نامور اور معزز تحفہ نہیں ہوسکتا" اس حکیم نے کسی طرح معلوم کیا تھا کہ ایوان کسریٰ میں ایک صندوق مدفون ہے جس میں نوشیرواں کے وزیر کی ایک نہایت بےمثل تصنیف چھپا کر رکھی ہے۔ مامون سے کہکر اس نے صندوق منگوایا کھولا گیا تو دیبا کے ٹکڑے میں لپٹا ہوا قریباً سو ورق کا ایک رسالہ ملا۔ مامون نے اسکا ترجمہ سنا تو نہایت متاثر ہوا اور فضل بن سہل سے مخاطب ہو کر کہا کہ غذا کی قسم کام اسکو کہتے ہیں وہ نہیں جو ہم لوگ کیا کرتے ہیں[2]۔

یہ تمام تفصیل ہم اپنے رسالہ (مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم) میں لکھ چکے ہیں اور اس کو کسیقدر تغیر کیساتھ یہاں نقل کردیا ہے۔

[1] علامہ ابن ابی صیبعۃ نے اپنی تاریخ میں جبرئیل کی آمدنی و مصارف کا ایک مفصل نقشہ نقل کیا ہے جو جبرئیل کے مرنے کے بعد اس کے خزانے میں پایا گیا تھا۔ ہم اس موقع پر صرف آمدنی کی بعض مدات لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ خاندان عباسی نے کس بے نظیر فیاضی سے اپنے دربار میں اہل کمال جمع کئے تھے اور یہ کہ ان کی فیاضیوں میں مسلمان اور دوسری قومیں برابر حصہ لیتی تھیں تفصیل آمدنی۔ عام صیغہ سے دس ہزار درہم ماہوار۔ خاص صیغہ سے پچاس ہزار درہم ماہوار۔ لباس کے لئے پچاس ہزار درہم ماہوار خوراک کیلئے پانچہزار درہم ماہوار۔ روزہ کے آغاز میں پچاس ہزار درہم۔ فطر کے دن پچاس ہزار درہم۔ خلیفہ کی فصد کے دن ہر دفعہ پچاس ہزار درہم۔ دوا پلانے کے لئے سال میں دوبار پچاس ہزار درہم۔ اس کے علاوہ خاندان شاہی اور دربار وزارت سے جو روپیہ روز مقرر تھے انکی یہ تفصیل ہے۔ زبیدہ خاتون پچاس ہزار درہم سال۔ عباسہ پچاس ہزار درہم۔ فاطمہ ستر ہزار درہم۔ عیسےٰ ابن جعفر پچاس ہزار درہم۔ ابراہیم بن عثمان [illegible] ہزار درہم۔ یحییٰ [illegible] خالد برمکی چھ لاکھ درہم۔ جعفر برمکی ۱۲ لاکھ درہم۔ فضل بن یحییٰ چھ لاکھ درہم فضل بن ربیع پچاس

محمد بن موسیٰ خوارزمی حسن بن شاکر۔ احمد بن شاکر علی ابن العباس بن احمد جوہری۔ یعقوب کندی۔ یوحنا بن ماسویہ ابن البطریق۔ محمد بن شاکر یحییٰ بن ابی المنصور۔ مامون کے دربار کے مشہور مترجم اور بیت الحکمۃ کے مہتمم تھے۔ ان مترجموں میں سے اکثر کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈھائی ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں۔ ترجمہ کا کام دولت عباسیہ میں خلیفہ منصور کے عہد سے شروع ہوا اور ایک مدت تک بڑے اہتمام سے جاری رہا یہ کہنا قریباً صحیح ہے کہ یونان۔ اٹلی وسسلی واسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعہ سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا یہی چیز ہے جس کی وجہ سے علمی دنیا میں دولت عباسیہ کی شہرت کی آواز بازگشت آج تک آرہی ہے لیکن بالخصوص مامون الرشید کا دور اس فخر کے تاج کا طرہ ہے۔ مامون کے سوا اور عباسی خلفا مثلاً ہارون الرشید وامین ومعتصم وغیرہ علوم فلسفیہ سے محض ناواقف یا برائے نام واقف تھے اور اسوجہ سے ان کے اہتمام وتوجہ کا اثر وہ نہیں ہو سکتا تھا جو ایک ماہر فن کا ہو سکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ خوش قسمتی سے یا مامون کی رتبہ شناسی سے مامونی عہد کے مترجم زباندان ہونیکے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے۔ یعقوب کندی جو اس کے دربار کا بڑا مترجم تھا مسلمانوں میں ارسطو کا ہم پایہ تسلیم کیا گیا ہے۔ سلیمان بن حسان نے لکھا ہے کہ اسلام میں کندی کے سوا اور کوئی شخص فلاسفر کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا وہ طب۔ حساب۔ منطق۔ موسیقی۔ ہندسہ۔ طبائع۔ اعداد۔ نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔ ان علوم میں اس کی مستقل تصنیفیں موجود ہیں علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں اسکی تصنیفوں کی ایک مفصل فہرست لکھی ہے جسمیں دوسو بیاسی کتابوں اور رسالوں کے نام ہیں ان میں سے بعض میں اس نے یونانی حکماء کی غلطیاں ثابت کی ہیں بعض میں حالات جدیدہ کا بیان ہے ایک رسالہ ایک آلہ پر لکھا ہے جس سے تمام اجرام کا بُعد دریافت ہو سکتا ہے ایک اور آلہ کی ترکیب لکھی ہے جس سے تمام معائنات کا بُعد معلوم ہو سکے۔ اس قسم کے اور جدید آلات پر اس نے رسالے لکھے ہیں۔ علوم فلسفیہ کے ترجمے میں اس بات کو بڑا دخل ہے کہ مترجم فن سے مجتہدانہ واقفیت رکھتا ہو۔ اسی بنا پر ابو معشر نے کتاب المذکرات میں لکھا ہے کہ اسلام میں عمدہ چار مترجم شخص گذرے۔ یعقوب کندی۔ حنین بن اسحٰق۔ ثابت بن قرہ۔ عمرو بن الفرخان الطبری یعقوب کندی نے ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی پیچیدگیاں بھی رفع کر دیں۔ اور اس وجہ سے اس کے ترجمے ایک اعتبار سے شرح کی حیثیت رکھتے ہیں یعقوب[51] کندی کی خاص تصنیفیں جو منطق میں ہیں ایک مدت تک درس میں داخل تھیں اور جب تک حکیم ابو نصر فارابی کی تصنیفیں نہیں شائع ہوئیں ان کا رواج تمام ممالک فارس وخراسان وعراق میں قائم رہا۔ یعقوب کے شاگردوں میں حسنویہ۔ نفطویہ۔ سلمویہ۔ احمد بن الطیب کو علمی شہرت حاصل ہے احمد بن الطیب علوم فلسفیہ کا بڑا فاضل تھا۔ اس نے اکثر ارسطو کی تصنیفات کے خلاصے کئے اور شرحیں لکھیں۔ مامون کے دربار کا دوسرا مترجم[52] حنین بن اسحٰق جس کا نشوونما مامون ہی کے عہد میں ہوا ترجمہ کا نامور ہیرو ہے۔ عربیت کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی تھی۔ جو لغات عرب کا پہلا مدون اور فن عروض کا موجد ہے۔ یونانی زبان بلاد روم میں جا کر سیکھی۔

[51] دیکھو طبقات الاطباء حالات یعقوب کندی۔ میں نے جو کچھ اس حکیم کی نسبت لکھا ہے۔ اسی معتبر کتاب سے لکھا ہے۔ فن طب میں ایک بے نظیر تصنیف ہے [52] حنین کا مفصل تذکرہ طبقات الاطباء ... [illegible]

... علاوہ مراعات کی کوئی حد نہیں مشہور یہ ہے کہ

ماموں ہر کتاب کے ترجمہ کے عوض کتاب کے برابر سونا تول کر دیتا تھا لیکن حنین نے خود ایک رسالہ میں دینار کے بجائے درہم کی تصریح کی ہے علاوہ ابن ابی اصیبعہ نے کتاب طبقات الاطباء میں جو ۶۴۳ھ میں تالیف ہوئی لکھا ہے کہ میں نے خود حنین کے بہت سے ترجمے دیکھے جو اُس کے کاتب ازرق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے اور جن پر ماموں الرشید کا شاہی طغرا بنا ہوا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ "یہ مترجم کتابیں نہایت جلی خط میں تھیں کاغذ بھی نہایت گندہ تھا اور ہر صفحہ میں صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً حنین قصداً کتاب کی ضخامت کو بڑھاتا تھا کیونکہ کتاب کی برابر تول کر اُسکو چاندی ملتی تھی" علامہ موصوف ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اسقدر گندہ اور مضبوط کاغذ پر نہ لکھی ہوتیں تو آجتک یہ کتابیں محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حکیم جالینوس کے ذکر میں جالینوس کی ایک سو اکیس کتابوں کے نام اور اُنکے مضامین لکھے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ قریباً یہ سب کتابیں حنین نے عربی میں ترجمہ کیں۔ حنین نے ایک رسالہ میں خود جالینوس کی تصنیفات کی تفصیل لکھی ہے اور کہا ہے کہ میں نے کن مشکلوں سے یہ کتابیں بہم پہنچائیں اور اُنکے ترجمے کئے وہ لکھتا ہے کہ کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرۂ فلسطین۔ مصر۔ اسکندریہ اور تمام ممالک شام میں پھرا لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب ہوا۔ جالینوس کی کتابوں کے ترجمے اور مترجمین نے بھی کئے ہیں۔ مثلاً الطاث۔ ابن یحییٰ بطریق۔ ابو سعید۔ عثمان دمشقی۔ موسیٰ بن خالد لیکن حنین کے ترجموں سے اُنکو کچھ نسبت نہیں ہے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے موسیٰ بن خالد کے ترجمے خود دیکھے اُن کا بیان ہے کہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے تعجب ہے کہ حنین خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطباء میں اُس کی خاص تصنیفات کی فہرست تین صفحوں میں نقل کی ہے جسکو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔ حنین کا نامور فرزند اسحاق اور اسکا بھائی نجاحبش۔ ان دونوں نے ترجمے کے کام کو بہت وسعت دی ارسطو کی اکثر فلسفی تصانیف اسحٰق نے ترجمہ کیں۔ قسطا ابن لوقا البعلبکی نہایت ہی نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ وہ طب۔ فلسفہ۔ ہندسہ۔ اعداد۔ موسیقی میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ یونانی زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا۔ عربیت میں کامل تھا، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ "اُس نے یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں اور اکثر پہلے ترجموں کی اصلاح کی" اُس کے علاوہ خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطباء میں اسکی بہت سی تصنیفات کے نام لکھے ہیں۔

خاص ماموں کے عہد میں جس قدر کتابیں ترجمہ ہوئیں اور اُن پر جو شروح و حواشی لکھے گئے ہیں اُن کی فہرست کے لئے ایک مستقل رسالہ درکار ہے[۱]۔

---

[۱] تعجب ہے کہ صاحب کشف الظنون نہ صرف ماموں الرشید بلکہ خاندان عباسیہ کی مجموعی کوششوں کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ تصنیفات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یونان کی عمدہ اور معظم تصنیفات عربی میں ترجمہ نہیں ہوئیں اور جسقدر ہوئیں ان میں اکثر غلط ... اس موقع پر صرف اسقدر لکھنا چاہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون کو تاریخ الحکماء و طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ

تحقیق و تجربے پر مائل پر ہوا۔

علم جبر و مقابلہ پر اسلام میں اول جو کتاب لکھی گئی وہ اس عہد کے مشہور عالم محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی فرمائش سے لکھی۔ یہ تصنیف آج بھی موجود ہے اور اس قدر جامع و مرتب ہے کہ گو علمائے اسلام نے جبر و مقابلہ میں سینکڑوں نادر کتابیں لکھیں لیکن اصل مسائل میں اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے۔ یونانی کتب حکمت میں اس نے پڑھا تھا کہ کرۂ زمین کا دور ۲۴ ہزار میل ہے۔

مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد و احمد و حسن کو جو اس کے خاص ندیم اور فنون حکمت کی ترقی و اشاعت میں اس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے۔ حکم دیا کہ دربار میں جو ہیئت داں ماہرین فن ہیں ان کو ساتھ لیں اور کسی ہموار اور وسیع صحرا میں آلات رصدیہ اور اصول حساب کے استعمال سے کرۂ زمین کی پیمائش کریں۔ سنجار کا سطح اور وسیع میدان اس تجربے کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹہر کر آلات رصدیہ کے ذریعہ سے قطب شمالی کا ارتفاع معلوم کیا۔ پھر وہاں ایک کھونٹی گاڑ دی اور ایک لمبی رسی اسمیں باندھکر ٹھیک شمال کی طرف چلے۔ رسی جہاں ختم ہوگئی۔ وہاں ایک دوسری کھونٹی گاڑ دی اور اس میں ایک رسی باندھکر شمالی سمت کو چلے اور ایک جگہ ٹہر کر رصد سے دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا۔ اب جس قدر مسافت طے ہوئی تھی۔ مساحت ۶۶ میل اور دو ثلث میل ٹھہری۔ اس سے نتیجہ نکالا کہ آسمان کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح ۶۶ میل اور دو ثلث میل ہے۔ پھر اسی مقام سے ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اسی طرح رسیاں باندھتے گئے۔ یہاں قطب شمالی کا ارتفاع لیا تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ کم ہے اب اسی طرح حساب لگایا کہ ایک درجہ کے مقابل زمین کی جو مسافت ٹہری تھی اس کو تین سو ساٹھ میں ضرب دیا کیونکہ آسمان کے درجے اسی قدر قرار دیئے گئے ہیں۔ اس حساب سے محیط زمین ۲۴ ہزار میل ٹہرا[۵۵]

دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصدخانہ کی بنیاد ڈالی اور بیش بہا آلات رصدیہ مہیا کئے وہ یہی نامور خلیفہ مامون ہے کہ اس کام کیلئے اس نے علاوہ ان لوگوں کے جو دربار میں تھے تمام ممالک محروسہ سے ہیئت و ہندسہ کے ماہرین فن طلب کئے اور ۲۱۴ھ میں بمقام شماسیہ عظیم الشان رصدخانہ قائم کیا جسکے مہتمم یحییٰ ابن ابی المنصور راس المنجمین خالد بن عبد الملک مروزی۔ سند بن علی۔ عباس بن سعید جوہری اور چند ریاضی داں علماء تھے۔ نہایت بیش بہا آلات رصدیہ تیار ہوئے۔ اور آفتاب کے میل کا مقدار۔ اس کے مرکز و کا خروج اوج کے مواضع اور چند سیارات و ثوابت کے حالات دریافت کئے گئے[۵۶]

مامون کے زمانہ تک جس زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا وہ محمد بن ابراہیم فزاری کی تالیف تھی لیکن نئی تحقیقات کے بعد مامون کے ایک بڑے منجم ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جو زیچ ترتیب دی اسکی شہرت اور مقبول ہونے اور وں کا نام مٹا دیا یہ زیچ دنیا کی تمام مستند زیچوں سے ماخوذ تھی۔ اوساط ہندوستان کی زیچ کے مطابق رکھتے تھے تعدیلیں فارس کی تحقیقات کے موافق تھیں اور میل شمس میں بطلیموس کی رائے لی تھی اسکے ساتھ ترتیب و تقریب کے متعلق

۵۵ ابن خلکان ترجمہ محمد بن موسیٰ ۵۶ کشف الظنون ذکر [illegible]

ان میں جو تحقیقات جدیدہ کے مطابق اور مامون کے نام سے منسوب ہے زیادہ مشہور ہوئی[۹۱]

ایشیائی حکومتوں میں کسی چیز کی اشاعت کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ فرمانروائے وقت اس کا قدردان ہو لیکن مامون کے عہد میں چند اور باتیں جمع ہوگئی تھیں۔

اُس وقت تک مسلمانوں میں عزم و ثبات کا عام مادہ موجود تھا اور ہر شخص کا دل جوش اور امنگ سے لبریز تھا یہ سرگرم طبیعتیں جس طرف رُخ کرتی تھیں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتی تھیں۔ اس کے ساتھ مامون کی پایہ شناسی اور فیاضیوں نے اور بھی حوصلے بڑھا دیئے۔ اور چونکہ مامون خود نہایت محقق اور ماہر فن تھا اور اس کے دربار میں فروغ پانا کچھ آسان بات نہیں تھی۔ ملک میں کمال کا عام رواج ہوگیا۔

سنہ ۲۰۶ھ میں جب وہ بغداد پہونچا تو قاضی یحییٰ بن اکثم کو حکم دیا کہ علماء و فضلاء میں سے بیس شخص انتخاب کئے جائیں جو علمی مجلسوں میں شریک ہوا کریں[۹۲]۔ فرامین بھیجکر ہر جگہ سے ادیب۔ فقیہہ۔ شاعر۔ متکلم۔ حکیم طلب کئے اور معقول تنخواہیں مقرر کیں۔ اصمعی کو جو ایک اعجوبہ روزگار شخص اور لغات عرب میں قریباً ایک خمس اسی کی روایت ہے بصرہ سے بلانا چاہا مگر چونکہ اس نے ضعف اور پیرانہ سالی کا عذر کیا۔ اسلیئے حکم دیا کہ نحو و ادب کے مشکل مسائل جو دربار کے علماء حل نہ کر سکیں۔ اصمعی کے پاس جواب کی غرض سے بھیجے جائیں[۹۳]۔

شاہ یونان کو لکھا کہ حکیم لیو کو اجازت دیجاوے کہ مجکو یہاں آکر فلسفہ پڑھا جائے جس کے عوض صلح دائمی کا وعدہ اور پانچ من سونا دینا منظور کرتا ہوں[۹۴]۔

فرّا نحوی کو جو علم نحو کے ارکان میں شمار کیا گیا ہے حکم دیا کہ نحو میں ایسی جامع کتاب لکھے جو تمامی اصول کو حاوی اور اہل زبان کے محاورات اور طریق استعمال سے مستنبط ہو۔ اس غرض سے ایوان شاہی کا ایک کمرہ خالی کیا گیا اور خدام و ملازم مقرر ہوئے کہ فرّا کو کسی ضرورت کیلئے کچھ کہنا نہ پڑے۔ صرف نماز کے وقت آدمی اطلاع کرتا تھا کہ وقت ہوا۔ بہت سے کاتب و ناقلین معین ہوئے کہ جو کچھ فرّا بتاتا جائے لکھتے جائیں دو برس کی متصل محنت میں ایک نہایت بسیط کتاب تیار ہوئی۔ مامون نے حکم دیا کہ اس کی بہت سی نقلیں لکھوا کر کتب خانوں میں بھیجی جائیں اس کتاب کا نام کتاب الحدود ہے۔ فرّا نے اس کے بعد کتاب المعانی لکچر کے طور پر لکھوائی۔ راوی کا بیان ہے کہ جو شائقین فن اس کے لکھنے کے لئے ہر روز فرّا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے میں نے ان سب کا شمار کرنا چاہا تو نہ کر سکا۔ لیکن صرف قاضیوں کو گنا تو اسّی تھے[۹۵]۔

مامون کے عہد خلافت کی ایک بڑی یادگار یہ ہے کہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی زمانہ میں ہوئی گو فارس میں اسلام سے پہلے سخنوری اوج کمال تک پہنچ چکی تھی لیکن فتوحات عرب کے سیلاب میں وہ دفتر خدا جانے کہاں بہے کہ آج بڑے بڑے وسیع النظر مصنف تذکروں کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی ایک قطعہ یا غزل کا پتہ نہیں دے سکتے۔

---

[۹۱] دیکھو جامع القصص الہندیہ مطبوعہ فرانس مقام بن سنہ ۱۸۳۸ء صفحہ ۱۰۰ [۹۲] کشف الظنون ذکر تاریخ المحاسبہ [۹۳] نادرۃ الشوال ناصری صفحہ ۱۲ [۹۴] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ [۹۵] ابن خلکان ترجمہ اصمعی ۱۲

مادری زبان فارسی تھی۔ اس کا ابتدائی زمانہ بھی خراسان میں بسر ہوا لیکن دربار میں صرف عرب کے شعرا تھے جو جشن و خوشی کے موقعوں پر فصیح و بلیغ قصائد لکھکر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے اس بات نے عباس مروزی ایک ایرانی فاضل کو رشک کے ساتھ حوصلہ دلایا کہ ملک کی شاعری کو پھر زندہ کرے۔ مامون کی مدح میں اسنے ایک قصیدہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہیں

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقدین	گسترانیدہ بفضل و جود در عالم یدین
مر خلافت را تو شائستہ چو مردم دیدہ را	دین یزداں را تو بائستہ چو رخ را ہر دو عین
کس بدین منوال پیش از من چنین شعری نگفت	مر زبان پارسی را ہست بااین نوع بین
لیک ازاں گفتم من این مدحت ترا تا این لغت	گیرد از مدح و ثنائے حضرت تو زیب و زین

حکومت کی تاثیر دیکھو۔ عربی الفاظ نے ہزاروں برس کی خاص اور منجھی ہوئی زبان پر کسقدر جلد قبضہ کر لیا کہ جب وطن میں ڈوبا ہوا شاعر اپنے ملک کی زبان کو اس سے آزاد کرنا چاہتا ہے اور نہیں کر سکتا۔

مامون کے عہد میں علم خط نے جو انشیا کا ایک بڑا جو ہر ہے نہایت ترقی حاصل کی اس سے پہلے بھی بہت سے خط ایجاد ہو چکے تھے منصور و مہدی عباسی کے زمانہ میں اسحٰق بن حماد مشہور خوشنویس تھا اس کے شاگردوں نے بارہ قسم کے خط ایجاد کئے تھے لیکن اسوقت تک کسی نے اس فن کے اصول و ضوابط نہیں لکھے تھے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس وقت تک یہ فن کوئی علمی فن نہ تھا سب سے پہلے مامون کے درباریوں میں سے احول محرر نے اس کے اصول و قواعد منضبط کئے۔ مامون کے وزیر اعظم ذوالریاستین نے بھی ایک خط ایجاد کیا جو اُس کی طرف منسوب ہو کر قلم الریاسی کے نام سے مشہور ہے۔

مامون کا فضل و کمال ۔ علمی مجلسیں ۔ اہل علم کی قدردانی

اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گذرا جو فضل و کمال کے اعتبار سے مامون کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس ہو کہ سلطنت کے انتساب نے اُسکو خلفاء و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی۔ ورنہ شاعری ایام العرب ۔ ادب ۔ فقہ ۔ فلسفہ کونسی بزم ہے جہاں فخر و شرف کے ساتھ اس کا استقبال نہ کیا جاتا۔ قریباً پانچ برس کی عمر میں وہ مکتب میں بٹھایا گیا۔ علماء جو اس کی تعلیم کیلئے مقرر ہوئے ہر ایک یگانہ وقت تھا۔

یزیدی جسکو تعلیم کے ساتھ اتالیقی کی خدمت بھی سپرد تھی ایک مشہور مصنف ہے خلیل بصری جو لغات عرب کا پہلا مدون ہے اس کا استاد تھا۔ لغت میں کتاب النوادر یزیدی ہی کی تصنیف ہے وہ ۲۰۲ھ تک زندہ رہا اور ہمیشہ مامون اُسکی صحبت سے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ مامون کا دوسرا استاد کسائی نحو کے مجتہدین میں شمار کیا گیا ہے۔ امام مالک جو فن حدیث میں مامون کے استاد تھے مشہور امام ہیں۔ آج دنیا میں سنی مذہب کے لوگ قریباً ایک ربع انھیں کے مقلد اور پیرو ہیں۔

اول میں جہاں یہ حالات بڑھ چلے ہیں اُن صفحوں کو ایک بار اور اُٹھا کر دیکھ لیں۔ ذیل کی حکایتوں سے جو نہایت صحیح اور مستند تاریخی شہادتوں سے ثابت ہیں۔ مامون کی جامعیت اور فضل و کمال کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک دن علماء کا مجمع تھا ہر فن کے اہل کمال دربار میں حاضر تھے۔ ایک عورت فریادی آئی کہ میرا بھائی چھ سو اشرفیاں چھوڑ کر قضا کر گیا۔ مگر لوگوں نے ترکہ میں مجکو ایک ہی اشرفی دلوائی۔ مامون نے ذرا دیر دل ہی دل میں کچھ حساب لگایا۔ دیکھا تو سہام صحیح تھے۔ عورت سے کہا کہ ہاں تجکو اتنا ہی ملنا چاہیئے اس غیر موقع جواب پر سب کو حیرت ہوئی۔ علماء نے پوچھا "امیر المؤمنین کیونکر" مامون نے کہا "متوفی کی دو بیٹیاں ہونگی دو ثلث یعنی چار سو اشرفیاں تو انکو ملیں۔ ماں بھی ہوگی جس کو سدس یعنی سو اشرفیاں پہونچیں۔ زوجہ کو ثمن یعنی پچھتر ملا ہوگا ۲۵ باقی رہے" مامون نے عورت کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ سچ کہنا تیرے بارہ بھائی ہیں۔ عورت نے تسلیم کیا کہ ہاں۔ مامون نے کہا دو دو انکو ملیں ۲۴ ہوئیں ایک باقی رہی وہ تیرا حق ہے[له]۔

ایک بار ایک شخص مامون کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ محدث ہوں اور اسی فن میں کل زندگی بسر کر دی ہے مامون نے کہا اس مسئلہ کے متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں وہ ایک بھی نہ بتا سکا۔ مامون نے بیسیوں روایتیں بیان کیں اور سندوں کا تار باندھ دیا کہ اس باب میں ہشیم نے یہ کہا ہے۔ حجاج نے یہ روایت کی ہے ایک دوسرے محدث کا یہ قول ہے"۔ پھر اس شخص سے ایک دوسرا مسئلہ پوچھا۔ وہ اب بھی عاجز رہا۔ مامون نے اسیطرح حدیث کے متعدد طریقے بیان کیئے اور درباریوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ "لوگ تین دن حدیث پڑھکر بھول جاتے ہیں کہ ہم بھی محدث ہیں۔ خیر تین درہم اس کو دلاؤ[عه]۔

ادب و شاعری میں وہ کمال بہم پہونچایا تھا کہ بڑے بڑے ماہرین فن اسکی اُستادی کا اعتراف کرتے تھے قدما اور شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطعے اس کو نوک زبان یاد تھے۔ اور اس باب میں اسکی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ علامہ یزیدی نے ایک بار خلیفہ واثق کی تعریف کی کہ تمام خلفائے عباسیہ میں واثق کے برابر کسی کو عرب کے اشعار نہیں یاد تھے۔ لوگوں نے متعجب ہوکر کہا کیا مامون سے بھی زیادہ ؟ یزیدی نے کہا "ہاں" "مامون نے ادب میں نجوم اور طب اور منطق کو بھی ملا دیا تھا۔ لیکن واثق نے ادب کے سوا اور کسی فن کی طرف توجہ ہی نہیں کی" مامون کو اس ذوق و شوق میں شان سلطنت کا بھی خیال نہ تھا۔ خود اس کی ہجو میں دعبل وغیرہ نے جو لکھا تھا اس کو حفظ یاد تھا اور زبان کی شستگی کے لحاظ سے اس کی تحسین کرتا تھا۔ خدا نے طبیعت ایسی موزوں اور طباع عطا کی تھی کہ شعرا اسکی زود فہمی اور نکتہ سنجی پر حیرت زدہ ہو جاتے تھے ایک موقعہ پر جب عمارۃ بن عقیل نے سو شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا تو ہر شعر پر مصرع ثانی کے شروع ہونے سے پہلے مامون بتا تا گیا کہ یہ قافیہ ہے اور اس پہلو سے بندھا ہوگا۔ عمارۃ نے حیرت زدہ ہوکر کہا خدا گواہ ہے اب تک اس قصیدہ کا ایک شعر بھی میں نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ مامون نے کہا تم کو معلوم ہوگا کہ جب عبداللہ بن عباس کے سامنے ایک شاعر نے اپنا لکھا ہوا قصیدہ پڑھا تو وہ برابر دوسرا مصرعہ پڑھتے گئے۔

طارق (طارق سے کون مراد ہے - محمد بن زیاد نے بہت خیال دوڑایا - مگر ہند کے خاندان میں طارق کسی کا نام نہ تھا - آخر عرض کیا حضور میں نہیں بتا سکتا - مامون نے کہا یہاں "طارق" کے معنی ستارہ کے ہیں - جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ شاعر نے فخریہ اپنے کو ستارہ کی طرف منسوب کیا ہے،، محمد نے عرض کیا کہ کوئی سند ارشاد ہو مامون نے کہا میں خود مجتہد الفن اور مجتہد (یعنی ہارون الرشید) کا فرزند ہوں یہ کہا عنبر کا ٹکڑا جو ہاتھ میں لئے تھا محمد کی طرف پھینکا - محمد نے اس گرانبہا انعام کو جو پانچہزار درہم قیمت رکھتا تھا بڑی خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہوا[1]

مروان بن ابی حفصہ اس زمانہ کا ایک شاعر تھا - ہارون الرشید نے اُسکو ایک قصیدہ پر اسپ خاص وخلعت اور پانچہزار دینار انعام میں دیئے تھے - چونکہ مامون الرشید باپ سے بھی زیادہ فیاض اور پایہ شناس تھا مروان نے اس امید پر کچھ مدحیہ اشعار لکھے اور مامون کو سنائے لیکن اس بات سے کہ مامون نے کچھ نہ داد دی اور نہ اُسکے چہرہ سے کچھ قبول کا اثر ظاہر ہوا مروان کو سخت تعجب ہوا - دربار سے واپس آکر عمارہ بن عقیل سے کہا "کیوں تمہاری کیا رائے ہے - میں تو خیال کرتا ہوں مامون کو سخن فہمی کا مطلق مادہ نہیں ہے"

(عمارہ) ایں!! مامون سے زیادہ اور کون نکتہ سنج ہو سکتا ہے"

(مروان) مگر میں نے تو اس کے سامنے یہ لاجواب شعر پڑھا اور اس کو ذرا جنبش نہ ہوئی ؎

أضحى امام الهدى المامون مشتغلا	بالدين والناس بالدنيا مشاغل

ترجمہ لوگ دنیا کے کاروبار میں پھنسے ہیں - لیکن - امام - رہنما - مامون دین میں مشغول ہے -

(عمارہ) سبحان اللہ! اس شعر کی بھی آپ داد چاہتے ہیں - مامون نہ ہوا کوئی بڑھیا ہوئی کہ محراب میں بیٹھی تسبیح پھرا رہی ہے اگر مامون (جو بار سلطنت کا حامل ہے) دنیا کا کفیل نہ ہوگا تو اور کون ہوگا -

(مروان) اب میں سمجھا کہ میری خطا تھی[1]

مامون کی فصاحت و بلاغت

مامون کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے - ثمامۃ بن اشرس کا قول ہے کہ جعفر برمکی اور مامون سے زیادہ فصیح و بلیغ میں نے کسی کو نہیں دیکھا -

مامون کے خطبے اب بھی موجود ہیں جن کے ہر فقرہ سے شستہ بیانی اور زور طبیعت کی شہادت ملتی ہے اگرچہ اسوقت خطبوں کا وہ زور شور نہیں رہا تھا جیسا کہ جاہلیت یا آغاز اسلام میں تھا اور خصوصاً پولیٹیکل موقع پر تو اس کی صدا بالکل ناپید ہو گئی تھی - تاہم جمعہ اور عیدین میں ابتک فصحا اپنی تیغ زبان کا جوہر دکھاتے تھے لیکن آجکل کی طرح لکھ کر آموختہ نہیں سناتے تھے بلکہ جو کچھ کہتے تھے زبانی اور برمحل کہتے تھے - اس قسم کے خطبے جو مامون نے مختلف وقتوں میں پڑھے کتاب العقد لابن عبد ربہ میں بالفاظہا مذکور ہیں مگر افسوس ہے کہ اُنکا نقل کرنا یہاں موزوں نہ ہوگا - ناظرین میں سے عربی دان کہتے ہیں کہ ترجمہ کیا جاوے تو وہ بات نہیں رہتی

شاعری

سخنوری کے لحاظ سے مامون ایک بلند رتبہ شاعر تھا اس کے چند شعر جن کی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا

لسانی کتوم لا سرار کم ودمعی هنوم لسری مذیع	میری زبان تمہارے رازوں کو چھپاتی ہے لیکن آنسو غماز ہیں اور میرے راز کو فاش کر دیتے ہیں۔
فلولا دموعی کتمت الھویٰ ولولا الھویٰ لم تکن لی دموع	اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا سکتا۔ اور اگر عشق نہ ہوتا تو آنسو ہی کیوں ہوتے۔
انا المامون الملک المھام ولکنی بحبک مستھام	میں مامون ہوں اور عظیم الشان بادشاہ ہوں۔ لیکن تیرے عشق میں سرگشتہ ہوں۔
اترضی ان اموت علیک وجدا ویبقی الناس لیس لھم امام	کیا تجکو یہ پسند ہے کہ میں تیرے عشق میں مرجاؤں اور دنیا بے امام کی رہ جائے۔
بعثتک مرتادا ففزت بنظرۃ واغطنی حتی اسات بک الظنا	میں نے تجکو محبوب کی تلاش میں بھیجا۔ تو اُس کے دیدار سے کامیاب ہوا۔ اور مجھے بھول گیا۔ جب سے مجکو تیری نسبت بدگمانی ہوئی۔
فناجیت من اھویٰ کنت مباعدا فیالیت شعری عن دنوک ما اغنیٰ	میرے محبوب سے تو نے سرگوشی کی اور میں دور تھا۔ ہائے تیرا قرب (محبوب سے) میرے کس کام آیا۔
فیالیت کنت الرسول وکنتنی فکنت الذی تقضی وکنت الذی اھویٰ	کاش میں ہی قاصد ہوتا اور تو بجائے میرے ہوتا۔ پس تو محبوب سے دُور رہتا اور میں قریب ہوتا۔
اری اثرا منہ بعینک بینا لقد اخذت عیناک من عینہ حسنا	میں تیری آنکھوں میں علانیہ محبوب کا اثر دیکھتا ہوں۔ بے شبہ تیری آنکھوں نے اس کی آنکھوں سے حسن لے لیا ہے۔

قاصد پر رشک کرنا شعرا کا ایک وسیع مضمون ہے اور بہت سے نازک خیالوں نے اس کے مختلف پہلو نکالے ہیں۔ عرفی نے قاصد سے گذر کر خود پیغام پر رشک کیا ہے اس کا شعر یہ ہے۔ شعر

بسوے او نہ فرستم پیام از اں ترسم
کہ بر حکایت من مطلع شود پیغام

گر نکتہ سنج سمجھ سکتا ہے کہ مامون نے اس مضمون کو کس کس طرح پلٹا ہے اور ہر بندش میں جدت کے ساتھ بات میں بات نکالی ہے۔

ایک بار عید کے دن مامون کے خوان کرم پر بہت سے معزز مہمان جمع تھے تین سو سے زائد مختلف اقسام کے کھانے دسترخوان پر چنے گئے۔ مامون ہر ایک کا خاصہ اور اثر بتاتا جاتا تھا کہ بلغمی مزاج کو یہ مفید ہے سوداوی کو وہ نافع ہے جسکو صفرا کا زور ہو۔ وہ اس خاص قسم سے پرہیز کرے۔ جو تقلیل غذا کا عادی ہو وہ یہ کھائے مامون کی ہمہ دانی پر تمام حاضرین محو حیرت تھے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم سے نہ رہا گیا بیساختہ بول اُٹھے کہ امیرالمومنین آپ کی کس کس بات کی تعریف کیجائے۔ طب کا ذکر ہو تو آپ جالینوس وقت ہیں نجوم کی بات چھڑ جائے تو ہرمس فقہ کی

مامون کے بعض دلآویز اقوال

مامون کے بعض دل آویز اقوال اس موقع پر نقل کرنا موزوں ہوگا۔ جن سے اس کے لطیف اور اعلیٰ و فیاضانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کا قول تھا "شریف وہ ہے جو بڑوں کو دبائے اور چھوٹوں سے خود دبے" "عقلوں کی لڑائی دیکھنے سے دنیا میں کوئی تماشہ عمدہ نہیں" "دلیل سے غالب ہونا میں بہ نسبت زور سے غالب ہونیکے زیادہ پسند کرتا ہوں" "آدمی تین قسم کے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کی ہر وقت ضرورت ہے۔ بعض بمنزلہ دوا کے ہیں کہ خاص وقتوں میں اُن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض تو ایسے ہیں کہ بیماری کی طرح کسی حال میں پسندیدہ نہیں" "بادشاہ کو لجاجت نہایت نازیبا ہے اور اس سے زیادہ نازیبا ہے کہ قاضی فریقین کی تسکین نہ کرسکے اور گھبرا جائے۔ اور ان سب سے عمدہ مجلس وہ ہے جس میں لوگوں کے حالات سے واقفیت ہو۔

لطیفہ مامون شطرنج کا بڑا شائق تھا۔ مگر اچھی نہیں کھیلتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ عرصۂ عالم کا بندوبست کرتا ہوں مگر دو بالشت کا انتظام نہیں کرسکتا۔

مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اُس کا یہ دعوے تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علی افضل تر ہیں۔ ایک بڑے معرکے کا مناظرہ ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہہ اس دعوے کے مخالف تھے۔ ادھر مامون تنہا سب کا مقابل تھا۔ مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکومی کا پردہ اُٹھا دیا گیا۔ اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی۔ صبح سے قریباً دوپہر تک دونوں فریق نے داد سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقدہ میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ وہ مامون کی وسعت نظر۔ جودت ذہن۔ کثرت معلومات حسن بیان۔ زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے۔

یوں تو مامون کی عام مجلسیں بھی علمی تذکروں سے خالی نہیں ہوتی تھیں لیکن سہ شنبہ کا دن مناظرہ کا مخصوص دن ہوتا جس کا طریقہ یہ تھا کہ صبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب و ملت کے علماء اور ماہرین فن دربار میں حاضر ہوتے ایک پر تکلف ایوان پہلے سے مرتب رہتا تھا سب لوگ نہایت بے تکلفی سے وہاں بیٹھ گئے۔ خادم نے ہر شخص کے سامنے آکر عرض کیا کہ بے تکلفی سے تشریف رکھئے۔ اور چاہیئے تو پاؤں سے موزے بھی اُتار ڈالیئے پھر دسترخوان جو مختلف اقسام کے اطعمہ و اشربہ سے مزین ہوتا تھا بچھایا گیا کھانے سے فارغ ہوکر سب نے وضو کیا عود و لوبان کی انگیٹھیاں آئیں کپڑے بسائے خوشبو ملی۔ خوب مطیب و معطر ہوکر دار المناظرہ میں حاضر ہوئے۔ اور مامون کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ مامون خود ایک فریق بنتا تھا لیکن اس آزادی سے گفتگوئیں ہوتی تھیں کہ گویا کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مجلس میں خلیفہ وقت بھی موجود ہے۔ دوپہر تک یہ انجمن قائم رہتی تھی۔ زوال آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا تھا اور لوگ کھا پی کر رخصت ہوتے تھے۔ ان مجلسوں میں بعض وقت اہل مناظرہ اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ مگر مامون بڑے حلم و متانت سے برداشت کرتا تھا ایکبار محمد سولی و علی بن الہیشم بحث کے دو فریق تھے۔ گفتگو جسقدر بڑھی بدمزہ ہوتے گئے۔ یہانتک کہ محمد سولی نے علی کو سخت کہدیا علی نے برافروختہ ہوکر کہا "اس وقت تم کسی دوسرے کی زبان سے بول رہے ہو۔ ورنہ اس مجلس سے باہر تم ایک کہتے تو دو سنتے" اس گستاخانہ بیباکی سے دفعتاً مامون کا چہرہ متغیر ہوگیا۔

انسان برا کر کے بعد بھی شرمندہ بھی ہو سکتا ہے (ثنوی) ہاں کیوں نہیں (مامون) گناہ پر نادم ہونا اچھا ہے یا برا (ثنوی) اچھا ہے۔ (مامون) جو شخص نادم ہوا گناہ اُس سے سرزد ہوا تھا یا کسی دوسرے شخص سے (ثنوی) اُسی سے (مامون بس تو ایک ہی شخص سے گناہ بھی ہوا اور ثواب بھی (ثنوی) گھبرا کر نہیں میں یہ کہونگا کہ جو نادم ہوا اس نے گناہ نہیں کیا تھا (مامون) تو تم سکو اپنے گناہ پر ندامت ہے یا دوسرے کے (ثنوی) آخر لاجواب ہو کر ساکت ہو گیا۔

ایک اور دن مجلس مناظرہ قائم تھی۔ چوبدار نے اطلاع کی کہ ایک اجنبی شخص دروازے پر کھڑا ہے اور حضور سے بحث کرنے کی اجازت چاہتا ہے مامون نے حکم دیا کہ بلا لو۔ آیا تو اس ہیئت سے آیا کہ جوتا ہاتھ میں اور پائنچے چڑھے ہوئے صف نعال میں کھڑا ہوا اور وہیں سے چلا کر کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ مامون نے سلام کا جواب دیا اور اجازت دی کہ قریب آ کر بیٹھے۔ مامون سے اُس نے پوچھا کہ خلافت آپنے بزور حاصل کی یا دنیا کے تمام مسلمانوں نے اتفاق رائے سے آپ کو منتخب کیا ہے۔ مامون نے کہا نہ زور سے نہ اتفاق سے بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جماعت اسلام پر جو حکمران تھا اور عامہ مسلمان جبراً و طوعاً اسکے حلقہ بگوش اطاعت تھے اس نے میری ولیعہدی کے لئے عام بیعت لی اور اُس وقت جو لوگ اسلامی طاقت کے ارکان مانے جاتے تھے سب نے معاہدہ بیعت پر دستخط کئے اس کے انتقال کے بعد میں نے خیال کیا کہ جس پر تمام دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ہو وہ تخت نشین ہو لیکن ایسا شخص نہ مل سکا۔ ادہر ملک کے نظم و نسق کیلئے ایک قوی انتظام کی ضرورت تھی ورنہ امن و امان میں خلل آتا اور عظمت اسلامی کے تمام اجزا متفرق ہو جاتے۔ مجبورانہ سردست میں نے یہ بار اپنے سر لیا اور منتظر بیٹھا ہوں کہ جب دنیا کے تمام مسلمان اتفاق رائے سے ایک شخص کو انتخاب کر لیں تو میں عنان حکومت اُس کے ہاتھ میں دیکر الگ ہو جاؤں۔ میں تم کو اپنا وکیل کرتا ہوں ایسا موقع ہو تو فوراً مجھکو خبر کرنا

ایک دن مامون نے یحیٰی بن اکثم سے جو قاضی القضاۃ تھے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آج محدثانہ حدیث کی روایت کروں۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو یہ حق حاصل ہے۔ معمول کے موافق ممبر رکھا گیا اور مامون نے ممبر پر بیٹھکر بڑی قابلیت کے ساتھ درس دیا۔ قریباً تیس حدیثیں تحقیق و تنقید کے ساتھ روایت کیں لیکن حاضرین کے رخ سے اُس نے جان لیا کہ لوگ محظوظ نہیں ہوئے ممبر پر سے اترا تو قاضی یحییٰ سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ تم لوگونکو مزہ نہیں آیا حقیقت میں اس منصب کے وہی لوگ مستحق ہیں جو اس ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے اور فرش پر بھی بیٹھتے ہیں تو اُن کے کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں

مامون کی راست پسندی اور اکبر شاہ کی خود رائی اور جہل مرکب سے مقابلہ کیا جائے تو ایک حیرت انگیز تفاوت معلوم ہوتا ہے

ایک دن دربار میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا حاضر کیا گیا حسب معمول بہت سے منجم اور ہیئت داں علماء بھی حاضر تھے مگر کسی کو اس کے ادعائے نبوت کا حال معلوم نہ تھا۔ مامون نے ستارہ شناسوں کو حکم دیا کہ زائچہ دیکھکر یہ بتائیں کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ سب نے صحن میں جا کر طالع کو دیکھا تو یہ صورت تھی کہ شمس و قمر ایک دقیقہ میں تھے مشتری سنبلہ میں تھا اور اسی کی طرف ناظر تھا۔ زہرہ و عطارد عقرب میں تھے اور عقرب کی طرف ناظر تھے اس بنا پر سب نے حکم لگایا کہ مدعی نے جو دعویٰ کیا ہے صحیح ہوگا۔ لیکن یحییٰ بن منصور نے ان لوگونکی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مشتری

... یہ نبوت کا مدعی ہے

حاضرین دربار یہ بات سنکر اس سے معجزے کے طالب ہوئے اس نے ایک انگوٹھی پیش کی کہ میرے سوا جو اس کو پہن لیگا بے اختیار ہنسنا شروع کریگا اور جبتک اُتار نہ ڈالے یہی حالت رہیگی لیکن اگر میں پہن لوں تو کچھ اثر نہوگا۔ اسی طرح اُس نے ایک قلم دکھایا جس سے صرف وہ لکھ سکتا تھا اور دوسرا شخص اُس سے لکھنا چاہتا تو مطلق نہیں چلتا تھا۔

تجربے سے دونوں باتیں صحیح نکلیں۔ مامون نے سمجھ لیا کہ کوئی نادر اور علمی شعبدہ ہے اور اگر نبوت کے ادعائے باطل سے وہ باز آئے تو کام کا آدمی ہوگا۔ مامون نے اُسکو اپنا ندیم بنالیا اور اسقدر استمالت اور مراعات کی کہ آخر اس نے اپنا راز بتادیا۔ اور انگوٹھی اور قلم میں جو صنعت تھی ظاہر کردی۔ مامون نے ہزار دینار انعام میں دیئے اور مقربین میں داخل کرلیا[۵۱]۔ یہ شخص ریاضی اور ہیئت کا بڑا عالم تھا۔ طلسم الخناص اسی کی ایجاد ہے جو بغداد کے اکثر گھروں میں موجود تھا۔

ایک بار نضر بن شمیل المتوفی ۲۰۳ھ میں خلیل بصری کے شاگرد اور حدیث فقہ۔ نحو غریب شعر۔ ایام العرب میں اُستاد وقت تھا مامون کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چونکہ مامون کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی سے واقف تھے کپڑے تک نہیں بدلے اور وہی مدت کا بوسیدہ قمیص اور عبا زیب بدن کئے ہوئے ایوان شاہی میں چلے آئے (مامون) کیوں نضر۔ امیر المومنین سے اس لباس میں ملنے آئے ہو (نضر) مرو کی سخت گرمی کی انھیں کپڑوں سے حفاظت ہوتی ہے (مامون) یہ تو بہانے ہیں اصل یہ ہے کہ تم کفایت شعاری پر مرتے ہو اسکے بعد علم حدیث کا تذکرہ شروع ہوا۔ مامون نے اپنی سند سے ایک حدیث روایت کی مگر "سداد" کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا فتح سے پڑھ گیا۔ نضر نے اس غلطی پر اُس کو متنبہ کرنا چاہا تو اُسی حدیث کو اپنی روایت سے بیان کیا اور سداد کو بکسر پڑھا۔ مامون تکیہ لگائے بیٹھا تھا دفعتاً سنبھل بیٹھا اور کہا۔ کیوں کیا سداد بفتح غلط ہے (نضر) ہاں ہشیم آپ کے استاد نے آپ کو غلط بتایا ہے (مامون) کیا دونوں کے معنی مختلف ہیں (نضر) سداد بفتح کے معنی راست روی کے ہیں سداد بالکسر اُسکو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز روکیجائے (مامون) کوئی سند بتا سکتے ہو (نضر) عربی کا یہ شعر ہے۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا
لیوم کریھة وسداد ثغر

مامون نے سر نیچا کرلیا اور کہا کہ خدا اُسکا برا کرے جس کو فن ادب نہیں آتا" پھر نضر نے مختلف مضامین کے اشعار سنائے اور رخصت ہونیکے وقت وزیر اعظم فضل کے پاس رقعہ لکھدیا کہ پچاس ہزار درہم نضر کو عطا کئے جائیں۔ نضر یہ رقعہ خود لیکر فضل کے پاس گئے۔ فضل نے رقعہ پڑھکر کہا۔ تم نے امیر المومنین کی غلطی ثابت کی۔ نضر نے کہا نہیں غلطی تو ہشیم نے کی امیر المومنین پر کیا الزام ہے۔ فضل نے پچاس ہزار پر تیس ہزار اور اپنی طرف سے زائد کئے۔ اسی طرح ایک غلطی کے صلہ میں نضر نے اسی ہزار درہم حاصل کئے[۵۲]۔

کلثوم عتابی جس کو اپنے علم وفضل پر بڑا ناز تھا اور بجا بھی تھا مامون کی پایہ شناسی کا شہرہ سنکر بغداد پہنچا اور دربار میں حاضر ہوا۔ مامون نے مزاج پرسی کی اور حالات پوچھے۔ کلثوم نے اس فصاحت اور برجستگی سے گفتگو کی کہ مامون بھی حیرت میں رہ گیا۔ اور حکم دیا کہ ہزار دینار اس کے سامنے لاکر رکھدیں لیکن چونکہ

---

[۵۱] مختصر الدول۔ حکمائے عہد مامون ۲

[۵۲] تاریخ الخلفا سیوطی ۲

[illegible] آزمانے ۔ اسحٰق کے سامنے آکر مناظرانہ گفتگو شروع کی اور اعتراضات کا تار باندھ دیا کلثوم بالکل حیرت زدہ ہو گیا کہ اس بلا کا ذہین کون شخص ہو سکتا ہے۔ دربار کے قاعدے کے موافق پہلے اُس نے مامون سے اجازت طلب کی پھر اسحٰق کی طرف متوجہ ہوا "آپ کا نام و نسب کیا ہے؟" (اسحٰق) نبا آدمی ہوں اور میرا نام کل بصل ہے" (کلثوم) نسب تو خیر ظاہر ہے مگر نام نئے ڈھنگ کا ہے (اسحٰق) کل بصل، کلثوم سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ لہسن سے پیاز بہرحال اچھی ہے[1]۔ اس لطیفہ پر کلثوم بھی پھڑک گیا اور مامون سے درخواست کی ہزار دینار جو مجھکو عطا ہوئے اسی کو دلائے جائیں۔ مگر مامون نے کلثوم کا انعام مضاعف کر دیا اور حکم دیا کہ اسحٰق کو بھی اسیقدر صلہ عطا کیا جائے۔

مامون کا دربار اگرچہ نامور شعرا سے معمور تھا جو وقتاً فوقتاً قصیدے اور قطعے لکھکر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے لیکن عام ایشیائی فرمانرواؤں کی طرح وہ اپنی مدح کی دل آویز صداؤں سے جی خوش کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس فیاضی سے اسکو زیادہ تر علم ادب کی ترقی مقصود تھی۔ تشبیب اور عام مضامین کے متعلق جو اشعار ہوتے تھے انکو نہایت ذوق سے سنتا تھا۔ لیکن خاص مدحیہ اشعار دو تین سے زیادہ سننا پسند نہیں کرتا تھا اور یہ کہکر شاعروں کو روک دیتا تھا کہ "بس میری قدر افزائی کے لئے اتنا ہی کافی ہے"[2]

اہل علم کے ساتھ مامون کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی۔ اہل کمال کا عموماً وہ نہایت ادب کرتا تھا اور اس کی شاہانہ فیاضیاں لوگوں کے لئے بے روک تھیں۔ علامہ واقدی نے جو فن سیر کے امام ہیں ایکبار مامون کو خط لکھا جس میں ناداری کی شکایت اور لوگوں کا جسقدر قرضہ چڑھ گیا تھا اسکی تعداد لکھی تھی مامون نے جواب میں یہ الفاظ لکھے "آپ میں دو عادتیں ہیں۔ حیا و سخاوت۔ سخاوت نے آپکے ہاتھ کھولدیئے ہیں کہ جو کچھ تھا آپنے سب اٹھا ڈالا۔ حیا کا یہ اثر ہے کہ آپنے اپنی پوری حاجت ظاہر نہیں کی۔ میں نے حکم دیدیا ہے تعداد مطلوبہ کا مضاعف آپکی خدمت میں پہونچ جاویگا اگر آپ کی اصلی ضرورت کیلئے یہ تعداد پوری نہ اُترے تو خود آپ کی کوتہ قلمی کا قصور اور اگر کافی ہو جائے تو آیندہ بھی آپ جسقدر چاہیں فراخدستی سے صرف کریں۔ خدا کے خزانے میں کچھ کمی نہیں ہے آپنے خود مجھ سے حدیث روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تھا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں خدا بندوں کیلئے انکے خرچ کے موافق رزق دیتا ہے زیادہ ہو تو زیادہ اور کم ہو تو کم" علامہ واقدی کو یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی وہ صلہ سے زیادہ اس بات پر خوش ہوئے کہ مامون کے یاد دلانے سے انکو ایک بھولی ہوئی حدیث یاد آگئی[3]

مامون کے دو فرزند فرا نحوی سے تعلیم پاتے تھے ایک بار وہ کسی کام کیلئے مسند درس سے اٹھا دونوں شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سیدھی کرکے آگے رکھدیں مگر چونکہ دونوں ساتھ پہونچے اس پر نزاع ہوئی کہ اس شرف کے ساتھ اختصاص کس کو ہو۔ آخر دونوں نے فیصلہ کرلیا اور ہر ایک نے ایک ایک جوتی سامنے لاکر رکھدی۔

مامون نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے۔ فوراً اطلاع ہوئی اور فرا طلب کیا گیا مامون نے اس سے مخاطب ہو کر کہا آج دنیا میں تم سے زیادہ معزز کون ہے؟ (فرا) امیر المومنین سے زیادہ کون ہو سکتا ہے

[illegible]
شہزادوں کو منع کرنا چاہتا تھا۔ مگر پھر خیال ہوا کہ انکو اس شرف سے کیوں باز رکھوں۔ عبداللہ بن عباس نے بھی حسین علیہ السلام کی رکاب تھامی تھی۔ اور جب حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا کہ آپ تو عمر میں ان سے بہت بڑے ہیں تو انھوں نے ڈانٹا کہ اے جاہل چپ رہ تو ان کی قدر کیا جان سکتا ہے (مامون) اگر تم ان کو روکتے تو میں تم سے نہایت آزردہ ہوتا۔ اس بات نے ان کی عزت کچھ کم نہیں کی بلکہ اصالت کے جوہر دکھائے بادشاہ یا استاد کی اطاعت ذلت میں داخل نہیں ہے۔ یہ کہکر لڑکونکو سعادت مندی اور فراکو حسن تعلیم کے صلہ میں دس ہزار درہم عطا کئے۔[51]

مامون کے عام اخلاق و عادات شاہانہ شان و شوکت عیش و طرب کے جلسے

مامون کی نسبت عام مورخین کے متفقہ الفاظ یہ ہیں۔ تمام خلفائے بنی العباس میں کوئی تخت نشین داعی عزم۔ بردباری۔ علم رائے۔ تدبیر۔ ہیئت۔ شجاعت۔ عالی حوصلگی۔ فیاضی میں اس سے افضل نہیں گذرا۔ مامون کا یہ ادعا کچھ بیجا نہیں تھا کہ معاویہ کو عمرو بن العاص کا بل تھا۔ عبدالملک کو حجاج کا اور مجکو خود اپنا۔

ہارون الرشید اکثر کہا کرتا تھا کہ "میں مامون میں منصور کا عزم۔ مہدی کی خدا پرستی۔ ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں۔ ان باتوں پر اگر اس کے عفو و انکسار بے تکلفی۔ سادہ مزاجی کی صفتیں بڑھائی جائیں تو فضیلت کا دائرہ جس کو مورخین نے بنی العباس تک محدود کیا تھا تمام سلاطین اسلام پر محیط ہوتا ہے۔

مامون کا قول تھا کہ مجکو عفو میں ایسا مزہ آتا ہے کہ اس پر ثواب ملنے کی توقع نہیں۔ عبداللہ بن طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار مامون کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے غلام کو آواز دی مگر صدا بر نخاست۔ پھر پکارا تو ایک غلام ترکی حاضر ہوا۔ اور آتے ہی بڑبڑانے لگا کہ "کیا غلام کھاتے پیتے نہیں۔ جب ذرا کسی کام کے لئے باہر گئے تو آپ "یا غلام یا غلام" چلانے لگتے ہیں۔ آخر یا غلام کی کوئی حد بھی ہے۔ مامون نے سر جھکا لیا اور دیر تک سر بگریبان رہا۔ میں نے سمجھا کہ بس اب غلام کی خیر نہیں۔ مامون میری طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ "نیک مزاجی میں یہ بڑی آفت ہے کہ نوکر اور غلام شریر اور بدخو ہو جاتے ہیں مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ان کے نیک خو کرنے کے لئے میں بد مزاج بنوں"[52]

ایک دن دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا۔ ارکان دولت دست بستہ کھڑے تھے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا ایک ملاح یہ کہتا ہوا جاتا تھا کہ مامون جس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا ہماری آنکھ میں عزت حاصل کر سکتا ہے مامون یہ سنکر مسکرا دیا اور ارکان دولت کی طرف متوجہ ہو کر کہا "کیوں صاحبو! آپ ایسی بھی کوئی تدبیر بتا سکتے ہیں کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نظروں میں موقر ہو سکوں۔

ناظرین کو غالباً اس بات سے تعجب ہوگا کہ اس غیر معتدل رحم پر جو بظاہر شان خلافت کے شایان تھا مامون کو ناز تھا۔ وہ فخر سے کہتا تھا کہ "خواص خدام اکثر اپنے جلسوں میں بیٹھکر مجکو گالیاں دیتے ہیں اور

حسین بن ضحاک ایک شاعر نے جو امین کا ندیم تھا۔ امین کے قتل کا نہایت جانگداز مرثیہ لکھا جسمیں مامون کو
بہت برا بھلا کہہ کر دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ مامون نے یہ اشعار سنے تو صرف یہ حکم دیا کہ شاعروں کے ساتھ
دربار میں نہ آئے۔ چند روز کے بعد پھر بلایا اور کہا "سچ کہنا بھائی امین کے قتل اور بغداد کی فتح کے دن تو نے کسی
ہاشمی عورت کو مارے جاتے اور ذلیل ہوتے دیکھا تھا" حسین نے کہا کسی کو نہیں۔ مامون نے اس کے
الزام دینے کو اس کے چند اشعار پڑھ کر سنائے جس میں اس نے نہایت درد انگیز لفظوں میں یہ سماں کھینچا
تھا کہ بغداد تباہ کیا جا رہا ہے اور آل ہاشم کی نازک و گل اندام عورتیں غارتگروں کے بے رحم ہاتھ سے اپنے
ناموس کو نہیں بچا سکتیں" حسین نے کہا "اے امیر المؤمنین یہ ایک جوش تھا جسکو میں دبا نہ سکا۔ امین کے غم میں
صحیح اور غلط کی کس کو تمیز تھی۔ خلیفہ مرحوم کا ماتم جن لفظوں میں ہو سکا ادا ہوا اگر تو مواخذہ کرے تو تجکو حق ہے
اور بخشدے تو تیری فیاضی ہے" مامون کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حکم دیا کہ اسکی تنخواہ بحال کر دیجائے
ایکبار اسی حسین نے ایک قصیدہ لکھکر حاجب کو دیا کہ مامون کی خدمت میں پیش کر دے۔ قصیدہ شاعری
کے لحاظ سے نہایت عمدہ تھا۔ مامون نے سخنوری کی داد دی۔ مگر حاجب نے کہا اسی حسین کا یہ شعر بھی ہے شعر

ولا فرح المامون بالملک بعدہ   ولا زال فی الدنیا طریداً مشردا

ترجمہ "خدا کرے مامون اسکے بعد کبھی سلطنت سے لذت نہ اٹھائے اور ہمیشہ دنیا میں خوار اور مردود رہے"
مامون نے یہ شعر پڑھکر حاجب سے کہا کہ یہ مدح و ذم ملکر برابر ہو گئی۔ اب شاعر کو صلہ کا کوئی حق نہیں، حاجب نے
عرض کیا پھر حضور کی عفو کی عادت کیا ہوئی۔ مامون نے کہا ہاں یہ صحیح اچھا مناسب انعام دیا جائے۔
جس زمانہ میں امین بغداد میں محصور تھا۔ کوثر اس کا پیارا غلام ایک دن لڑائی کی سیر دیکھنے کو نکلا۔
اتفاق سے ایک پتھر چہرہ پر آ لگا اور خون جاری ہوا۔ امین اپنے ہاتھ سے خون پونچھتا جاتا تھا اور یہ اشعار
جو اس کی زبان سے بے اختیار نکلے تھے پڑھتا جاتا تھا۔ اشعار

ضربوا قرة عینی	لوگوں نے میرے قرۃ العین کو مارا
ومن اجلی ضربوه	اور میری ضد کی وجہ سے اُسکو مارا
اخذ الله بقلبی من	جن لوگوں نے میرے دل کو جلایا
الناس احرقوه	خدا اُن لوگوں سے میرے دل کا بدلا لے

چونکہ غمزدہ دل نے یاری نہ دی اس سے زیادہ وہ نہ کہہ سکا اور عبداللہ ایک شاعر کو حکم دیا کہ ان
اشعار کو پورا کر دے۔ عبداللہ نے چند شعر لکھے جس کے اخیر شعر یہ ہیں۔

من رای الناس له فضل علیهم حسدوه	مثل ما حسد القائم بالملک اخوه
لوگ جس کو صاحب فضل دیکھتے ہیں اسپر حسد کرتے ہیں	جس طرح خلیفہ وقت پر اُسکے بھائی (مامون) نے حسد کیا

چند اشعار برجستہ پڑھے۔ مامون نے پچھلے جرم کا خیال نہ کیا اور دس ہزار درہم انعام دلائے۔

مامون کو دعویٰ تھا کہ بڑے سے بڑا جرم بھی میرے حلم کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ ایک شخص سے جو متعدد بار نافرمانیاں کر چکا تھا۔ اس نے کہا کہ "تو جسقدر گناہ کرتا جائیگا میں بخشتا جاؤنگا یہانتک کہ آخر عفو تجکو ٹھکا کر درست کر دیگا"۔ مامون کی اس رحم دلی پر لوگونکو اسقدر بھروسہ ہو گیا تھا کہ بے تکلف اس کے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کر لیتے تھے۔ عبد الملک جس کی شکایت کی بہت سی عرضیاں گذر چکی تھیں۔ مامون نے اُسکو بلاکر پوچھا کہ اصل کیا بات ہے۔ عبد الملک نے مطلقاً انکار کیا۔ مامون نے کہا اگر مجکو تو اس کے خلاف خبریں پہنچتی ہیں۔ عبد الملک نے عرض کیا۔ امیر المومنین اگر کوئی بات ہوتی تو میں خود اقرار کر لیتا حضور کا عفو ہر حالت میں حمایت کے لئے سپر بن سکتا تھا پھر میں سچائی کی دولت کو دانستہ کیوں کھوتا۔ مامون اگرچہ ملک کی ایک ایک جزئیات سے خبر رکھتا تھا اور اس شوق میں ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کر دیتا تھا۔ مگر غمازوں کا جانی دشمن تھا اس باب میں اُس کے مقولے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اُسکے سامنے جب غمازوں کا ذکر آتا تھا تو اکثر کہا کرتا تھا کہ ان لوگوں کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو جن کو خدا نے سچ کہنے پر بھی لعنت کی ہے اس کا قول تھا کہ "جس شخص نے کسی کی شکایت کر کے اپنی عزت میری آنکھوں میں گھٹا دی پھر کسی طرح اُسکی تلافی نہیں کر سکتا۔

مامون اگرچہ بڑی عظمت و شان کا بادشاہ تھا۔ اور ناموری کے دفتر میں عام مورخین نے اس کے جاہ و جلال کی داستانیں جلی خط سے لکھی ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں جو چیز اُس کی تاریخ زندگی کو نہایت مزین اور پُر اثر بنا دیتی ہے وہ اُس کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی ہے۔ ایک ایسا شہنشاہ جو تخت حکومت پر بیٹھکر کل اسلامی دنیا کا ذمہ دار بنجاتا ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ عام دوستوں سے ملنے جلنے میں شان سلطنت کا لحاظ رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اکثر اہل علم و ارباب کمال راتوں کو اُس کے مہمان ہوتے تھے اور اسکے بستر سے بستر لگا کر سوتے تھے مگر اسکا عام برتاؤ ایسا ہی ہوتا تھا جیسا کہ ایک سادہ خالص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔

قاضی یحییٰ ایک رات اُسکے مہمان تھے اتفاقاً آدھی رات کے بعد اُنکی آنکھ کھل گئی اور پیاس معلوم ہوئی۔ چونکہ چہرہ سے بیتابی کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ مامون نے پوچھا خیر ہے قاضی صاحب نے پیاس کی شکایت کی مامون خود چلا گیا اور دوسرے کمرے سے پانی کی صراحی اُٹھا لایا۔ قاضی صاحب نے گھبرا کر کہا حضور نے خدام کو ارشاد کیا ہوتا۔ مامون نے کہا نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سید القوم خادمہم راتوں کو خدام سو جاتے تھے تو خود اُٹھکر چراغ شمعیں درست کر دیا کرتا تھا۔

ایکبار باغ کی سیر کو گیا۔ قاضی یحییٰ بھی ساتھ تھے۔ مامون اُنکے ہاتھ میں ہاتھ دیکر ٹہلنے لگا جانیکے وقت دہوپ کا رخ قاضی صاحب کی طرف تھا اُدہر سے آتے وقت مامون کی طرف بدل گیا قاضی صاحب نے چاہا کہ وہ پہلو خود لے لیں تاکہ مامون سایہ میں آجائے لیکن اُس نے گوارا نہیں کیا اور کہا کہ یہ انصاف سے بالکل بعید ہے پہلے میں سایہ میں تھا۔ اب واپسی کے وقت تمہارا حق ہے۔ مامون کی سادہ مزاجی کچھ عربی النسل ہونے کی حیثیت سے

پھرا ... بدل گئی تھیں۔ اسی مدت میں نسل اور سرزمین کی سادہ خاصیتیں بالکل شاہانہ آداب و تکلفات سے بدل گئی تھیں۔ **مہدی** سے پہلے تو درباریوں کو خلیفہ کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ سریر خلافت کے آگے قریبًا بیس ہاتھ کے فاصلہ پر ایک مکلف پردہ پڑا ہوتا تھا اور درباری اس سے ذرا فاصلے پر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے خلیفہ وقت پردے کی اوٹ میں بیٹھکر تمام احکام صادر کرتا تھا۔ گو خلیفہ مہدی نے سلطنت کے چہرے سے یہ نقاب اُٹھادی تھی مگر اور بہت سے تکلفات کے حجاب باقی تھے۔

مامون کے عہد تک تمام دربار ابتک اسی قسم کے آئین و آداب کا پابند تھا۔ مامون کو ایک بار چھینک آئی حاضرین میں سے کسی نے سنت نبوی کے طریقے پر یرحمک اللہ نہیں کہا۔ مامون نے سبب پوچھا درباریوں نے عرض کیا کہ آداب شاہی مانع تھا۔ مامون نے کہا کہ میں ان بادشاہوں میں سے نہیں ہوں جو دعا سے عار رکھتے ہیں۔ چونکہ مامون اس قسم کے بیہودہ آداب و مراسم کو ناپسند کرتا تھا۔ اہل دربار نے بے تکلفی کی قید سے آزادی حاصل کی۔ بااین ہمہ مامون کی سادہ روی سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ شاہانہ جاہ و حشم یا مسرفانہ مصارف میں کچھ تنزل ہوا تھا۔ دس ہزار درہم روزانہ اُسکے طعام خاصہ کا صرف تھا۔ ایک یورپین مصنف نے خلفائے راشدین کی سادہ طرز زندگی کا اس عہد سے ایک عجیب صورت میں مقابلہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا تو اُن کا کل ضروری اسباب رسد و کھانے کا سامان ایک اونٹ پر رکھا گیا اور جب مامون شکار کو نکلا تو اُسکے ضروری اور معمولی ساز و سامان کے لئے تین سو اونٹ بھی کافی نہوئے۔ دولت بنی امیہ کے عہد سے جو اس انقلاب کا پہلا دیباچہ تھا اتنی ہی قلیل مدت تک طرز معاشرت میں اسقدر عظیم الشان تبدیلیاں ہوگئیں کہ کسی طرح قیاس میں نہیں آسکتیں ؛

زبیدہ خاتون (مامون کی سوتیلی ماں تھی) کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے متن پر بہت سے حاشیے اضافہ کئے جو نہایت ذوق و مسرت سے قبول کئے گئے اور تمام امرا و عمائد میں رواج عام پا گئے۔ عنبر کی شمعیں پہلے پہل اسی کی شبستان عیش میں جلائی گئیں جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہیں چاندی کے خوش صندل کے قبے اول اسی نے تیار کرلئے اور انکو دیبا و سمور اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لئے ایک ایک تھان پچاس پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا تیار ہوا۔ مامون کی ایک شادی کی تقریب جس شوکت و شان سے ادا ہوئی وہ اس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ ہے۔ عربی مورخوں کا دعویٰ ہے کہ "گذشتہ اور موجودہ زمانہ کوئی اسکی نظیر نہیں لا سکتا" ہماری محدود واقفیت میں ابتک کسی نے اُنکے اس فخریہ ادعا پر اعتراض کرنیکی جرأت نہیں کی ہے۔ یہ خوش قسمت لڑکی جس سے مامون کا نکاح ہوا حسن بن سہل کی بیٹی تھی جو فضل کے مرنے پر وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ اس لڑکی کا نام بوران تھا اور نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی۔[۹۳] مامون مع خاندان شاہی اور ارکان دولت

---

۹۳ مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ ... تاریخ ... تفصیلاً آگے ...

جو صلے سے مہمانداری کی گئی کہ ادنٰے سے ادنٰے آدمی نے بھی چند روزوں کے لئے امیرانہ زندگی بسر کرلی۔ خاندان ہاشم وافسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک وعنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں جنپر کاغذ لپٹے ہوئے تھے اور ہر کاغذ پر نقد۔ لونڈی۔ غلام۔ املاک۔ خلعت۔ اسپ۔ خاصہ۔ جاگیر وغیرہ کی ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی۔ نثار کی عام لوٹ میں یہ فیاضانہ حکم تھا کہ جس کے حصہ میں جو گولی آئے اسمیں جو کچھ لکھا ہو اسی وقت وکیل المخزن سے دلا دیا جائے۔ عام آدمیوں پر مشک وعنبر کی گولیاں اور درہم ودینار نثار کئے گئے مامون کے لئے ایک نہایت سکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا اور گوہر و یاقوت سے مرصع تھا۔ مامون جب اُسپر جلوہ فرما ہوا تو بیش قیمت موتی اُسکے قدم پر نثار کئے گئے۔ جو زریں فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکھاتے تھے۔ مامون نے ابونواس کا یہ مشہور شعر پڑھا اور کہا کہ ابونواس نے جو لکھا گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھا ہے

کان صغریٰ وکبریٰ من فواقعہا		جام شراب کے چھوٹے بڑے بلبلے ایسے معلوم ہوتے ہیں
حصباء در علی ارض من الذھب		کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے دانے ہیں۔

زفاف کی شب جب نوشہ اور دلہن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزار بیش بہا موتی دونوں پر نچھاور کئے۔ اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ پانچ کروڑ درہم کیا گیا ہے[1]

عرب کے نامور مورخوں نے مامون کی سخاوت و دریا دلی کا ذکر فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے اور چونکہ مامون کے اصلی وعملی کارنامے اس قسم کی حیرت انگیز فیاضیوں سے معمور ہیں۔ انکو ایشیائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں پڑی ان صفات کے متعلق جسقدر مبالغہ کیا جاسکتا ہے خوش قسمتی سے مامون کے اصلی واقعات ہیں۔ گبن صاحب لکھتے ہیں۔ مامون کی فیاضی کی تعریف اس کے ارکان دولت نے ضرور کی ہوگی جس نے رکاب سے پاؤں نکالنے سے پیشتر ایک ضلع کی آمدنی کے چار خمس جو بیس لاکھ چار ہزار دینار تھے دیدیئے۔ یہ ایک جزئی مثال ہے شعرا اور اہل فن کو ہزاروں لاکھوں درہم و دینار عطا کر دینا مامون کا ایک معمولی کام تھا۔ محمد بن وہیب کے ایک مدحیہ قصیدے کے صلے میں حکم دیا کہ فی شعر ایکہزار درہم دلا دیئے جائیں۔ یہ کل پچاس شعر تھے اور پچاس ہزار درہم اُسیوقت دلائے گئے[2]

بوران کے نکاح میں ایک مفلس آدمی نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں نذر بھیجیں اور خط لکھا کہ اگرچہ ناداری ہمت کو دبا دیتی ہے مگر میں نے یہ پسند نہ کیا کہ اہل کرم کی فہرست بند کر دیجائے اور میرا نام اس میں نہ ہو۔ نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت اس بات کے لئے کافی ہے کہ میں اُسکو حضور کی نذر کے لئے انتخاب کروں" مامون نے حکم دیا کہ دونوں تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر اُسکو واپس دیجائیں اس قسم کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ اور ہمکو نئے تعلیمیافتہ نوجوانوں کی طرح جو ایشیائی روایتوں کو عموماً بے اعتباری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں واقعات سے انکار کرنا نہیں چاہیئے۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ ہم آج موجودہ طرز سلطنت کو

[1] اس شادی کا ذکر پوری تفصیل سے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے۔ ابوالفدا۔ ابن الاثیر ابن خلکان نے

...بعض نے تسلیم یافتہ اس قسم کی روایتوں کو جو تاریخوں میں مذکور ہیں عموماً مبالغہ پر محمول کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ملکی وفوجی مصارف سے بچکر اتنا روپیہ کہاں سے آسکتا ہے کہ ان بے انتہا فیاضیوں کیلئے کافی ہو لیکن یہی ان کی غلطی ہے کہ پچھلی ایشیائی سلطنتوں کے ملکی وفوجی مصارف کو وہ آج پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ اُسوقت نہ اتنے مختلف صیغے اور عہدے تھے۔ نہ اتنی کثیر تنخواہیں۔ اسلئے خزانہ عامرہ کا بڑا حصہ اُن فیاضیوں میں صرف ہوتا تھا جس کو آج ہم فضول اور لغو بتاتے ہیں یہ باتیں ہم کو بعض عمدہ تاریخی نتائج کی طرف رہبری کرتی ہیں۔ ہم اس عبرت انگیز انقلاب کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو دوہی صدی میں اسلامی جانشینوں کے طریق حکومت میں ہوگیا حضرت عمرؓ ایکبار ممبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ سنو اور مانو، یہ صدا اپنی پوری رفتار طے نہیں کرچکی تھی کہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور بلند لہجہ میں کہا "لا سمعًا ولا طاعۃ" یعنی نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے، حضرت عمرؓ نے فرمایا " آخر کیوں" اُس نے کہا، یمنی چادریں جو تمام مسلمانوں کو تقسیم کی گئیں۔ اس میں تمہارا حصہ ایک سے زیادہ نہ تھا مگر تمہارے بدن پر جو پیراہن ہے اور اسی چادر کو کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ یہ یقیناً ایک چادر سے زیادہ میں بنا ہوگا تم کو اس ترجیح کا کیا حق تھا حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند عبداللہ کے ذریعے سے اس اعتراض کا جواب دیا جنہوں نے کھڑے ہوکر یہ شہادت دی کہ "جسقدر کپڑا گھٹ گیا تھا وہ میں نے اپنے حصہ کی چادر سے پورا کردیا" وہ شخص یہ کہکر بیٹھ گیا کہ ہاں اب سنیں گے اور مانیں گے[1]

اس کے ساتھ اب مامون کے عہد کا مقابلہ کرو کہ اُس کے غیر معتدل اصرافات پر کروڑوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نکتہ چینی کی جرأت نہیں کرسکتا کل بیت المال (پبلک فنڈ) ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے اور وہ جس طرح چاہے اُس پر آزادانہ تصرف کرسکتا ہے اس قسم کے بیقاعدہ مصارف سے ہم یہ بات باسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ملکی عہدے کم تھے اور جسقدر تھے انکی تنخواہیں بیش قرار نہ تھیں۔

ہمارے ناظرین جنہوں نے مامون کو کبھی فقہ وحدیث کا تذکرہ کرتے دیکھا ہے کبھی اہل کمال کیساتھ اسکی عالمانہ بحثیں سنی ہیں۔ نہایت تعجب سے دیکھیں گے کہ بزم عیش میں وہ رندانہ وضع سے بیٹھا ہے بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں۔ پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے دور شراب چل رہا ہے۔ ساز چھیڑا جارہا ہے گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں۔ یاران باصفا بدست ہوتے جاتے ہیں[2] آغاز خلافت میں بیس مہینے تک مامون نغمہ وسرود سے بالکل محترز رہا۔ چندروز کے بعد شوق پیدا ہوا مگر اتنا ہی کہ احتیاط کے ساتھ کبھی کبھی سن لیتا تھا۔ یہ حالت بھی چار برس تک قائم رہی پھر تو ایسی چاٹ پڑ گئی کہ ایک دن ان صحبتوں کے بغیر بسر نہیں کرسکتا تھا لیکن اگر انصاف سے دیکھیے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے آزادی حوصلہ مندی لطافت طبع۔ جوش شباب۔ ہمیشہ زہد کی حکومت سے باغی رہتے آئے ہیں۔ مامون کی تخصیص نہیں۔ اس وقت اسلامی سوسائیٹیاں عموماً اس رنگ

---

[1] آثار الدول امام رازی ۱۲ [2] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں نہایت سختی کیساتھ مامون وغیرہ کی بادہ نوشی سے انکار

اُن کو زندگی کے پُر خطر مقاصد سے روک سکتی۔ ایک مذہب البتہ دراندازہو سکتا تھا۔ لیکن جازت پسند طبیعتیں اُسکو بھی کھینچ تان کر اپنے ڈھب کا بنا لیتی تھیں شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاڑی) موجود تھی جس کو عموماً عراق کے پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی۔ لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سب حوصلے پورے کرا دیئے تھے۔ نغمہ و سرود تو قابلیت کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے۔

بنو امیہ اور عباسیہ میں ایک بھی خلیفہ ایسا نہیں گذرا جو اس فن شریف میں مناسب دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ بڑے بڑے مذہبی علما بھی اس چاٹ سے خالی نہ تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز سے زاہد خشک بھی تو فن نغمہ میں بہت سے سرودوں کے موجد ہیں[1] مامون کے دربار میں مغنیوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا جنھوں نے علمی اصول و قواعد کے موافق موسیقی کو معراج کمال تک پہونچا دیا اور جن میں سے مخارق علویہ عمر بن بانتہ۔ عقید۔ یحییٰ برمکی۔ سوسن۔ زلزل۔ زرزود۔ اس فن کے ارکان تسلیم کئے گئے ہیں لیکن اسحٰق موصلی کی شہرت مقبول کے آگے کسی کو فروغ نہ ہو سکا۔ اسحٰق کا باپ ابراہیم موسیقی کا ایک مشہور استاد تھا اور ہارون الرشید کے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم ماہوار کا نوکر تھا۔ اسحٰق نے فن ادب انساب روایات فقہ و نحو میں مجتہدانہ کمال پیدا کیا تھا، یہ عبرت کی جگہ ہے کہ موسیقی کے انتساب نے تمام معزز خطابوں سے محروم کرکے اسکو مغنی کا حقیر لقب دلا دیا۔ جس کی شہرت کو وہ کسی طرح دبا نہ سکا۔ وہ اس نسبت سے نہایت نفرت کرتا تھا مگر قبول عام پر کس کا زور ہے۔ مامون کو بھی اس بات کا افسوس رہا کہ اسحٰق منصب قضا کے قابل تھا لیکن قوالی کی بدنامی سے اس بلند درجے پر پہونچنے نہ دیا۔ تاہم اسکی عظمت کا اتنا پاس تھا کہ دربار میں اس کو ندیموں کے زمرے میں جگہ ملتی تھی۔ اس سے زیادہ یہ امتیاز حاصل تھا کہ اُسکو دربار میں فقہا کا لباس پہنکر آنے کی اجازت تھی اسپر بھی قانع نہ ہوا اور مامون سے درخواست کی کہ دراعہ اور سیاہ طیلسان پہنکر جمعہ کے دن مقصورہ[2] میں داخل ہو سکے۔ مامون نے مسکرا کر کہا "اسحٰق" یہ نہیں۔ لیکن میں تمہاری درخواست لاکھ درہم پر خرید لیتا ہوں" یہ کہکر حکم دیا کہ لاکھ درہم اُسکے گھر پہنچا دیئے جائیں۔

مامون کے دربار کے مغنی ابراہیم کی تنخواہ

اسحٰق کا بیان ہے کہ تحصیل کے زمانہ میں مدتوں میرا یہ معمول رہا کہ صبح تڑکے ہشیم کی خدمت میں پہنچکر حدیثیں سنیں۔ پھر کسائی یا فرا کے پاس جاکر سبق پڑھا۔ اس سے فارغ ہوکر زلزل سے عود بجانے کی مشق کی پھر شہدہ سے دو تین راگ سیکھے۔ سب سے آخر اصمعی اور ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا کچھ اشعار سنائے کچھ ادب کے مسائل تحقیق کئے شام کو گھر واپس آیا۔ تو جو کچھ دن بھر سیکھا تھا سب پدر بزرگوار کو سنا دیا۔ اسی کا بیان ہے کہ میں نے ایک لاکھ درہم مختلف وقتوں میں زلزل کی نذر کئے۔ جب عود بجانا آیا۔ خلیفہ معتصم باللہ اکثر کہتا تھا" اسحٰق جب گاتا ہے تو مجھے جوش مسرت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میری سلطنت میں کوئی نیا ملک اضافہ ہو گیا"۔

اسحٰق موصلی

اسحٰق نے موسیقی کے جو اصول و قواعد اپنی تصنیف میں لکھے ہیں وہ یونانی حکما کی تحقیقات سے عموماً

---

[1] صاحب اغانی نے جہاں خلفاء کی ایجادات موسیقی کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا نام بھی لیا ہے ۱۲

[2] جامع مسجد میں جہاں بادشاہ نماز ادا کرتا ہے وہ ایک کمرہ ہوتا تھا اُسکو عربی میں مقصورہ کہتے ہیں ۱۲

ثابت ہوتی ہے کہ اسکو نہ یونانی زبان آتی تھی نہ اُن کتابوں کے ترجمے اسکی نگاہ سے گزرے تھے۔ اس بات سے تمام اہل فن کو حیرت ہے اور حق یہ ہے کہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں اُس نے فیثاغورث سے کچھ کم کام نہیں کیا۔

ان مغنیوں کے سوا ایک اور طائفہ تھا جس سے مامون کے جلسوں کی زیب و زینت تھی۔ روم اور ایشیائے کوچک کی گل اندام نازنین جو لڑائی کی لوٹ مار میں پکڑ آتی تھیں دلال انکو سستے داموں پر خرید لیتے تھے اور موسیقی۔ شاعری۔ ایام العرب۔ ادب۔ خوشنویسی۔ ظرافت۔ حاضر جوابی کی تعلیم دلاتے تھے ان فنون میں کامل ہو کر وہ نہایت گراں قیمتوں پر بازار میں بکتی تھیں۔ مامون کے شبستان عیش میں ان حور وشوں کا ایک بڑا جھرمٹ رہتا تھا۔ جن کی خریداری اور تربیت نے خزانہ عامرہ کو اکثر زیر بار کر دیا تھا۔ ایک بار ایک لونڈی بکنے آئی۔ جس کے فضل و کمال۔ فصاحت بیت۔ ادبیت۔ سخن سنجی کی قیمت بیچنے والے نے دو ہزار دینار طلب کئے۔ مامون نے کہا میں ایک شعر پڑھتا ہوں اگر فی البدیہہ اسکے جواب میں دوسرا شعر کہے تو اصل قیمت سے کچھ زیادہ دیتا ہوں۔ شعر یہ تھا ؎

ما تقولین فیمن شفه ارق … من جهد حبك حتى صار حيرانا

کنیز نے برجستہ کہا

اذا وجدنا محبا قد اضر به … داء الصبابة اولينا احسانا

عریب ایک کنیز جو ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھی اور لاکھ درہم اس کی خریداری میں صرف کئے گئے تھے۔ مامون کی محبوبہ خاص تھی۔ اس نے ہزار راگ ایجاد کئے تھے جن میں سے بعض کا تتبع ابراہیم بھی بمشکل کر سکتا تھا۔ عریب کی قابلیت اور کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ المعتز باللہ عباسی نے جو فن بدیع کا موجد اور عرب کے شعرا کا خاتم ہے عریب کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے ایک بار عریب نے مامون سے رنجیدہ ہو کر ملنا چھوڑ دیا۔ قاضی احمد بن ابی داؤد سے مامون نے التجا کی کہ آپ بیچ میں پڑ کر صلح کرا دیجئے۔ عریب نے سنا تو پردے سے بول اٹھی کہ

نخلط الهجر بالوصال ولا … يدخل في الصلح بيننا احد

یعنی وصال میں ہم ہجر کو ملا دیتے ہیں۔ لیکن صلح کرانے کے لئے ہمارے بیچ میں کوئی غیر شخص نہیں پڑ سکتا۔

مامون کی ایک دوسری کنیز جس کا نام بذل تھا فن موسیقی کے بڑے اُستادوں میں تسلیم کی گئی ہے علی بن ہشام نے اس کی ایک تصنیف کا جو سات ہزار راگوں پر مشتمل ہے۔ دس ہزار درہم صلہ دیا تھا۔ اور علامہ ابو الفرج اصفہانی نے عریب و بذل کے دلاویز حالات کے لئے اپنی بے نظیر کتاب الاغانی کے بیسیوں صفحے نذر کئے ہیں۔ رنگین طبع ناظرین کو اگر زیادہ دلچسپی ہو تو اُس کے صفحے پیش نظر رکھیں۔ اس عہد میں تعلیم یافتہ کنیزیں عموماً امرا و خوشحال لوگوں کی حرم میں داخل تھیں۔ اور چونکہ ان کے حقوق و معاشرت

سے بہت کچھ ان کی بدولت حاصل ہو گیا تھا۔

مامون کے عیش وطرب کے جلسوں میں گو عیاشانہ رنگینی پائی جاتی ہے مگر انصاف یہ ہے کہ یہ جلسے علمی مذاق سے خالی بھی نہ تھے۔ اس قسم کے جلسے جو شاعرانہ مذاق کو پورے جوش کے ساتھ ابھار دیتے ہیں اگر متانت اور تہذیب کے ساتھ ہوں تو لٹریچر پر نہایت وسیع اور عمدہ اثر پیدا کرتے ہیں خود مامون سخن سنج اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ یاران مجلس بھی عموماً نازک خیال اور نکتہ شناس تھے۔ بات بات پر شاعرانہ لطیفے ایجاد ہوتے۔ کبھی موسیقی کی بحث چھڑ جاتی کسی وقت مامون کے فی البدیہہ مصرعوں یا شعروں پر طبع آزمائیوں کا امتحان ہوتا۔ ایک دن بزم عیش آراستہ تھی۔ بادۂ وجام کا دور تھا۔ بیس عیسائی کنیزیں دیبائے رومی کا لباس پہنے گردنوں میں سونے کی صلیبیں کمر میں زرین زنار ہاتھوں میں گلدستے لئے بزم میں جلوہ آرا تھیں۔ یہ سماں ایسا نہ تھا کہ مامون دل پر قابو رکھ سکتا۔ بیساختہ چند اشعار زبان سے نکلے اور احمد بن صدقہ ایک مغنی کو بلا کر ان شعروں کے گانے کی فرمائش کی۔ احمد کی نغمہ سرائی کیساتھ کنیزیں ناچنے کھڑی ہو گئیں۔ ان کی مخمور آنکھیں اور جام شراب مامون کے بدست کرنے میں یکساں کام دے رہے تھے۔ وہ بالکل سرشار ہو گیا اور حکم دیا کہ ان نازنینوں کے قدم پر تین ہزار اشرفیاں نثار کیجاویں مامون کا چچا ابراہیم جس کے ادعائے خلافت کا حال پہلے حصے میں گذر چکا ہے۔ اور جو موسیقی کا بڑا استاد اور اس فن میں اسحٰق موصلی کی ہمسری کا دعویٰ رکھتا تھا۔ ایک دن بزم عیش میں حاضر تھا۔ مامون کے دائیں بائیں بیس حوروش کنیزیں ایک سر میں عود چھیڑ رہی تھیں۔ اسحٰق بھی حاضر ہوا اور آنے کے ساتھ ٹھٹک سا گیا

(مامون) کیوں اسحٰق! کوئی بے اصول آواز کان میں آ رہی ہے؟

(اسحٰق) حضور ہاں (مامون) ابراہیم کی طرف مخاطب ہو کر۔ تم اس سوال کا جواب کیا دیتے ہو۔

(ابراہیم) نہیں۔

مامون نے اسحٰق کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا "اب میں بہ تعین بتا دیتا ہوں کہ اس صف میں کسی تار پر غلط مضراب پڑ رہا ہے۔ ابراہیم نے اس طرف کان لگا کر سنا مگر پھر بھی تمیز نہ ہوئی۔ اسحٰق نے ایک خاص کنیز کی طرف اشارہ کیا کہ وہ تنہا بجائے اور سب ہاتھ روک لیں۔ اب ابراہیم بھی سمجھ گیا اور اپنی ناواقفیت پر نادم ہوا۔ مامون نے کہا "ابراہیم۔ اسّی تاروں کی یکساں اور مشتبہ گونج میں ایک غلط صدا جس کے کان میں کھٹک جائے اور اس کو بہ تعین بتا دے تم اس کی ہمسری کا کیونکر دعویٰ کر سکتے ہو"، شاید پہلا دن تھا کہ ابراہیم نے صریح لفظوں میں اسحٰق کی فضیلت کو تسلیم کر لیا ایک دن معتصم بالعد نے مامون کی دعوت کی۔ مکان جو دعوت کیلئے سجایا گیا تھا اس کی چھت میں جابجا روشندانوں میں شیشے لگے تھے مجلس میں احمد یزیدی اور سیما ترکی بھی موجود تھا جو معتصم کا پیارا غلام اور حسن وجمال میں یگانہ روزگار تھا۔ آفتاب کا عکس شیشوں سے ہو کر سیما کے چہرے پر پڑا تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ مامون بیساختہ پکار اٹھا کہ "دیکھنا آفتاب کا عکس سیما کے چہرے پر پڑ کر کیسا ...

مامون کا مذہب

مامون مذہب کے لحاظ سے اس شعر کا مصداق ہے ؎

کس کی ملت میں گنوں آپکو بتلا اے شوخ	تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجکو

سُنّی مورخ اُس کے محاسن و فضائل کا علانیہ اعتراف کر کے بڑی حسرت سے لکھتے ہیں کہ "افسوس شیعی تھا۔ شیعہ سخت ناراض ہیں کہ اُسکا تشیع بالکل فریب تھا۔ جس کے ذریعہ سے اُس نے حضرت علی رضا علیہ السلام پر قابو حاصل کیا اور پھر زہر دلوا دیا۔ معتزلہ کی تاریخیں موجود نہیں ورنہ یہ دیکھنا تھا کہ اس مقدس فرقے نے اُس کو کس لقب سے یاد کیا ہے اصل یہ ہے کہ مامون کے زمانہ تک ان فرقوں میں وہ حد فاصل نہیں قائم ہوئی تھی۔ جواب ہے۔ سُنّی شیعہ۔ معتزلہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ سنیوں کے بڑے بڑے پیشوائے مذہبی (امام بخاری وغیرہ) شیعوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔

بزرگان سلف میں سینکڑوں گذرے ہیں کہ اگر اُنکے مجموعہ عقائد کا شیرازہ کھولدیا جائے تو شیعہ۔ سنی معتزلہ قدریہ ہر ایک کے ہاتھ میں اُسکا کچھ کچھ حصہ آئیگا۔ عقائد کے لحاظ سے مامون معجون مرکب تھا قرآن کے حادث ہونے کا قائل تھا۔ منادی کرادی تھی کہ جو شخص امیر معاویہ کو اچھا کہے وہ دائرہ اطاعت سے باہر ہے حضرت علی رضؓ کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتا تھا۔ لیکن اور خلفاء سے بھی بداعتقاد نہ تھا اُس نے ایک نظم میں حضرت عثمان و عائشہ کی نسبت بھی اپنا راسوخ اعتقاد ظاہر کیا ہے۔ اُسکے خیالات جن کو اب مذہبی اعتقادات کا لقب دیا جاتا ہے۔ مختلف زمانوں کی تعلیم و معاشرت کے نتائج تھے۔ خاندان برامکہ کی صحبت نے جو اسکی ابتدائی تعلیم و تربیت کے رہنما تھے اُسکو شیعہ پن کے خیالات سکھائے بڑا ہوا تو بھی یہی صحبت رہی فضل بن سہل جو پایہ تخت اور حکومت کے ارکان اعظم تھے مامون پر ایسے محیط تھے کہ وہ اُنھیں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا اور اُنہیں کے کانوں سے سنتا تھا۔ یہ دونوں شیعی تھے اور اُنکے اقتدار نے کل دربار پر اپنا رنگ جما لیا تھا۔ اخیر میں معتزلی اپنے فضل و کمال کیوجہ سے باریاب ہوئے۔ مامون کی قابل طبیعت نے اُنکے عقائد کو بھی خیر مقدم کہا اس دو طرفہ کشمکش میں سنیت کا جسقدر حصہ باقی رہگیا وہ صرف خاندان کا قدرتی اثر تھا مامون کے دربار میں ہندو عیسائی یہودی۔ مجوسی ہر ایک مذہب کے عالم اور فاضل تھے وہ سب کے نہایت فیاضانہ مراعات رکھتا تھا اور کسی کے عقائد اور مذہبی خیالات سے اُسکو بحث نہ تھی لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ خود اُسکے ہم مذہبوں کو ہمیشہ اُسکے تعصبات سے گزند پہنچتا تھا۔ شیعہ پن کے جوش نے ایک بار منادی کرا دی۔ متعہ عموماً جائز سمجھا جاوے اگر یہ حکم ذاتی رائے کی صورت میں ہوتا تو شاید کسی کو خیال بھی نہ ہوتا لیکن ایک عام منادی فرمان شاہی کے ہمزبان تھی۔ اور اگر قاضی یحییٰ کے منطقی استدلال سے مامون عاجز نہ آجاتا تو شاید سنیوں کی قسمت بدل گئی ہوتی۔ مامون اس

آتا ہوں۔ یہ لوگ پہنچے تو مامون حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پڑھ رہا تھا " دو متعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے میں اُنکو حرام کرتا ہوں " ہر لفظ پر اس کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو جاتا تھا اور جب ایک پُر غیظ لہجہ میں یہ روایت ختم کر چکا تو نہایت طیش میں آکر کہا اے جعل جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جائز تھی تو کون ہے کہ اُسکو حرام کرے ،، مامون کو اس طرح برافروختہ دیکھکر سب سہم گئے۔ اتنے میں قاضی یحیی پہنچے اور گو خود کچھ نہیں کہا لیکن اُسکا مغموم چہرہ اُن کے دلی خیالات کو صاف ادا کر رہا تھا مامون نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کیوں آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے۔

(قاضی یحیی) اسلام میں ایک نیا رخنہ پڑا (مامون) وہ کیا (قاضی یحیی) زنا حلال کر دیا گیا (مامون) یہ کیونکر (قاضی یحیی) متعہ زنا ہی تو ہے (مامون) کس دلیل سے (قاضی یحیی) قرآن مجید کی اس آیت میں اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ صرف دو قسم کی عورتوں سے تمتع جائز کیا گیا ہے۔ جورو لونڈی۔ کیا ممتوعہ عورت لونڈی ہے (مامون) نہیں (قاضی یحیی) پھر کیا زوجہ شرعی ہے ! کیا اُسکو میراث مل سکتی ہے" قاضی یحیی نے ایک حدیث بھی متعہ کی حرمت میں پڑھی۔ مامون کو اپنی خود رائی پر نہایت افسوس ہوا اور اُسی وقت حکم دیا کہ پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا[1]۔

مامون اس بات میں بے شبہہ نہایت تعریف کا مستحق ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ تعلیم وخیالات کے ساتھ مذہبی عقائد میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا۔ فرائض اور اعمال کا سخت پابند تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو اسکو سچی ارادت تھی عاشقانہ وارفتگی کی حد تک پہنچگئی تھی۔ شام کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ملا تو آنکھوں سے لگایا اور جوش محبت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی بار بار آنکھوں سے لگاتا تھا اور رونا جاتا تھا۔ مذہبی جوش میں ایک بڑی طاقت ہے اور ہمیشہ دنیا میں اس سے عجیب عجیب اثر ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مامون نے اُس قوت سے کوئی عمدہ کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ جس چیز نے اسکی تمام خوبیاں غارت کر دیں وہ یہی مذہبی جنون تھا۔ فلسفہ کے اثر نے اُسکو چند عقائد میں معتزلی المذہب بنادیا تھا جس میں سے قرآن کے حادث ہونیکا مسئلہ اس رسوخ کیساتھ اُسکے دل میں بیٹھ گیا تھا کہ اُس کے نزدیک اس مسئلہ سے انکار کرنا گویا توحید سے انکار کرنا تھا ۲۱۸ھ میں جب وہ شام کے اضلاع میں مقیم تھا۔ تو اسحٰق خزاعی گورنر بغداد کو ایک فرمان بھیجا جس کا مختصر مضمون یہ تھا و امیر المؤمنین کو معلوم ہوا ہے کہ عموماً تمام مسلمان جو شریعت کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے قرآن کے قدم کے قائل ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کی متعدد آیتوں سے اسکے خلاف ثابت ہے۔ یہ لوگ بدترین اُمم اور ابلیس کی زبان ہیں۔ بغداد کے تمام قاضیوں کو جمع کر کے یہ فرمان سنا دیا جائے اور جسکو انکار ہو وہ ساقط العدالت مشہور کر دیا جائے۔ مامون کو اسپر بھی تسلی نہیں ہوئی۔ سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہبی بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا اور دو روز گفتگو کی۔ یہ سب لوگ اس مسئلہ میں مامون

ہیں ہوئی اور سب اظہار انکے خاص الفاظ میں قلمبند ہوکر مامون کے پاس بھیجدیئے گئے اسکے جواب میں مامون نے جوکچھ لکھا وہ اُسکے جنون مذہبی کا ہذیان تھا۔ تمام محدثین اور فقہا میں سے ایک بھی نہیں بچا جسپر رشوت۔ چوری دروغگوئی۔ بے علمی۔ حماقت شعاری کا الزام نہیں لگایا تھا۔ فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدے سے باز نہ آئیں پابزنجیر روانہ کئے جائیں تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کرکے اُن کی حیات اور موت کا فیصلہ کردوں اسحق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھکر سنایا جسکی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کردیا اور سبنے سب سچائی اور آزادی کو خیرباد کہکر مامون کے ہمزبان ہوگئے۔ علامہ قواریری وسجادۃ البتہ کسیقدر مستقل رہے مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گذری تو ثابت ہوگیا کہ ان لوگونکو اپنے عزم واستقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا وہ صحیح نہ تھا صرف امام حنبل ومحمد بن نوح اس معرکہ میں ثابت قدم رہے جس کے صلے میں پابزنجیر ہوکر طرطوس روانہ کئے گئے۔

مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کرلیا تھا تقیہ کرلیا تھا وہ نہایت برافروختہ ہوا اور ان لوگونکی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر کئے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں ابوحسان زیادی نضر بن شمیل قواریری ابونصر تمار۔ علی بن مقاتل۔ بشیر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے کی خبر آئی جسکا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا ہوا۔ لیکن ان بیکسوں کے لئے ایک نہایت جانفزا مژدہ تھا۔[۱]

تمام خلفائے بنی العباس کے برخلاف مامون آل علی سے نہایت محبت رکھتا تھا باغ فدک سادات کو واپس دیدیا تھا۔ آل ہاشم کو عموماً بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اس عزیزانہ مراعات کو خاندان عباس رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یحیٰی بن حسین نے (علویین میں تھے) جب انتقال کیا تو مامون کو اُنکے مرنے کا ایسا صدمہ ہوا کہ شاید کبھی نہ ہوا تھا۔ خود اُنکے جنازہ پر حاضر ہوا اور دیر تک رنج وغم کی وہ حالت اس پر طاری رہی کہ لوگ دیکھکر تعجب کرتے تھے۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد زینب خاتون کا (جو تمام خاندان عباس میں نہایت محترم تھیں) ایک عزیز فرزند مرگیا مامون نے بجائے اسکے کہ جنازہ میں شریک ہوتا یا خود تعزیت کو جاتا صالح کو اپنی طرف سے بھیجا کہ عذرخواہی کے ساتھ ماتم پرسی کر آئے۔ اس بے پروائی نے زینب خاتون کو اسقدر رنج دیا کہ انکو عظمت خلافت کا بالکل خیال نہ رہا اور مامون کی طرف اشارہ کرکے یہ شعر پڑھا۔

فابدی الکیر عن خبث الحدید	سبکناہ ونحسبہ لجینا

(ترجمہ) ہم نے اُسکو تپایا تو چاندی خیال کیا تھا لیکن بھٹی نے ظاہر کردیا کہ زنگ آلود لوہا ہے۔" پھر صالح سے کہا کہ مامون سے جاکر کہنا۔

اے مراجل[۲] کے لونڈے اگر آج یحیٰی بن الحسین ہوتا تو منہ پر دامن رکھکر جنازہ کے پیچھے دوڑتا جاتا۔[۳]

---

[۱] یہ تمام واقعات کامل ابن الاثیر اور تاریخ الخلفاء میں زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں ۱۲ [۲] یہ مامون کے کنیز زادہ

مامون کو بے شبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت پرجوش اور محبت آمیز عقیدت تھی اسکا لازمی اثر تھا کہ خاندان نبوت کے ساتھ بھی اُسکو دلی اخلاص ہو۔ اس مراعات کا ایک اور سبب تھا جسکو خود مامون نے ایک اور موقعہ پر بیان کیا ہے، اس نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمان خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کیساتھ کچھ فیاضی نہ کی لیکن علی مرتضے جب ہوئے تو عبداللہ بن عباس کو بصرہ۔ عبیدہ کو یمن۔ معبد کو مکہ۔ قسم کو بحرین کی حکومت دی اور آل عباس میں کوئی باقی نہیں رہا جسکو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ہمارے خاندان پر یہ قرض باقی چلا آتا تھا جس کو اب میں نے ادا کیا ہے[1]۔

معاصر سلطنتیں

ہم مختصر طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ جس زمانہ میں مامون دنیا کے بڑے بڑے حصوں پر نہایت عظمت و جلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا اُسوقت اس کی معاصر سلطنتیں ترقی کے کس پایہ پر تھیں۔

انگلینڈ کا تنگ رقبہ سات چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم تھا جنکے نام یہ ہیں کنیٹ سیکس اکس نارتھ امبرلینڈ۔ مرشیا۔ ایسٹ انگلیا۔ یہ سب بادشاہ جنکو رئیس کہنا چاہیئے آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جو شخص انمیں غلبہ حاصل کر لیتا تھا اُسکو بادشاہ انگلش کا پُرفخر لقب ملتا تھا۔ ۸۲۷ء میں اکبرٹ بادشاہ وسیکس اپنے تمام حریفوں پر غالب ہوگیا اور قریباً تمام انگلینڈ میں اُسکی فتوحات پھیل گئیں لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے فتوحات کی بنیاد مستحکم کرے۔ ڈینس کا حملہ شروع ہوگیا۔ اکبرٹ نے ۸۳۶ء میں انتقال کیا۔ جرمن۔ اٹلی۔ ہنگری ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جنکے لئے سلطنت کا لقب نہ تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے موزوں تھا نہ جمعیت و طاقت کے اعتبار سے شارلمین شاہنشاہ فرانس نے ۸۰۰ء میں ان ریاستوں کو فتح کامل حاصل کرنیکے بعد اپنی حدود حکومت میں داخل کر لیا اور ایک سلطنت اعظم کی بنیاد قائم کی۔ یورپ کے مورخوں نے اسکی عظمت و شان کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے اپنے معاصر ہارون الرشید اعظم سے دوستانہ راہ و رسم پیدا کی اور سفارت اور ہدایا بھیجے۔ فرانس کے مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفارت کے جواب میں ہارون الرشید نے جو شاہانہ تحفے بھیجے انمیں ایک گھڑی بھی تھی[2] جسکی کمال صنعت پر تمام دربار حیرت زدہ ہوگیا۔ اور فرانس میں گھڑی کا رواج اسی زمانہ سے شروع ہوا عربی تاریخوں میں اس سفارت کا بالکل ذکر نہیں ہے اور اس وجہ سے مسٹر پامر صاحب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت چونکہ اسوقت نہایت عروج پر تھی اس لئے اس سے فخر یہ رابطہ قائم کرنیکے لئے یورپ میں یہ قصے خود ایجاد ہوگئے۔ شارلمین ۸۱۴ء میں انتقال کر گیا۔ اسی کے ساتھ عظمت و سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

قسطنطنیہ میں میکل اول و میکل دوم و تھیوفلس پسر میکل دوم۔ مامون کے معاصر تھے۔ یہ خاندان اکثر دولت عباسیہ کو خراج کے طور پر کسی قدر سالانہ رقم ادا کرتا تھا بعض تخت نشینوں نے کبھی کبھی سرتابی کی مگر عباسیوں نے اپنی قاہرہ فتوحات

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲ [2] اس گھڑی کا حال کشف المخاتن فتوح الادبا میں تفصیل کیساتھ لکھا ہے تعجب ہے کہ یہ پہلی ایجاد آجکل

غرض دنیا میں اسوقت جتنی سلطنتیں موجود تھیں سلطنت عباسیہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتی تھیں لیکن خاندان
بنی امیہ جو اسپین میں فرمانروا تھا عباسیہ کا حریف مقابل تھا حکم بن ہشام جو ۱۸۲ھ میں تخت نشین ہوا اور عبدالرحمن اوسط
جو ۲۰۶ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا یہ دونوں اموی خلیفہ مامون کے معاصر تھے اور اگر وسعت سلطنت کے اعتبار سے
نہیں تو فتوحات یورپ کے لحاظ سے وہ صحیح طور پر مامون کی ہمسری کا دعوی کر سکتے تھے حکم نے فوج کو بہت ترقی دی
اور علم کی نہایت قدردانی کے ساتھ سرپرستی کی عبدالرحمن اوسط نے یورپ پر بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ اسپین میں
بیشمار مسجدیں بنوائیں۔ خلفائے بنی امیہ میں وہ پہلا تخت نشین ہے جسنے سلطنت کے اصول و قواعد منضبط کئے۔

ارکین دربار اور ملکی عہدے

ہر سلطنت میں بعض اہل دربار اور عہدہ داران ملک اپنے زور لیاقت اور حسن تدبیر سے ایسا اقتدار حاصل
کر لیتے ہیں کہ اُنکے کارنامے سلطنت کی تاریخ کا ایک ضروری حصہ بنجاتے ہیں اور اسلئے اُنکے عام حالات
زندگی پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالنا مورخ کا فرض ہوجاتا ہے۔ اسکے علاوہ ایک بڑا سبب یہ ہے جسکی وجہ سے ہم
درباریوں اور عہدہ داروں کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شخصی حکومت شروع ہوگئی جس کی بنیاد
امیر معاویہ نے ڈالی تھی۔ اُسوقت سے آجتک جہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی شخصی اختیارات کے اصول
پر قائم ہوئی۔ جس کا ایک لازمی خاصہ یہ تھا کہ فرمانروائے وقت کسی عام ملکی قانون کا پابند نہیں ہوتا تھا شریعت
کے مسلمہ اصول بھی ہمیشہ اُسکی ذاتی خواہشوں کے سانچے میں ڈھالے جاتے تھے اسی طرح اُسکے نائبان سلطنت
اور عمال اپنے اپنے اختیارات کی حدود تک گویا خود فرمانروا ہوتے تھے اس لئے ہم کو اگر کسی عہد کے امن و انصاف
کی نسبت کوئی رائے قائم کرنی ہو تو ضرور ہے کہ سلطان وقت اور عہدہ داران سلطنت کی ذاتی لیاقت اور
طریق عمل پر بھی نگاہ ڈالیں۔ مامون کے عمالوں اور عہدہ داروں کے حالات لکھنے سے پہلے مختصر طور پر ہم عہدوں کی
تعیین اور اُنکے فرائض لکھتے ہیں۔ اُسوقت بڑے بڑے ملکی عہدے جنپر سلطنت کی بنیاد قائم تھی یہ تھے۔

وزارت۔ کتابت۔ شرطہ۔ پولیس۔ قضا۔ عدالت۔ ولایت۔

وزارت۔ یہ سب سے بڑا منصب تھا۔ اور حق یہ ہے کہ عملی طور سے وزیر اعظم کے اختیارات بادشاہ کے اختیارات
سے زیادہ وسیع اور باثر ہوتے تھے۔ وزارت کے مختلف درجے تھے۔ اور ہر صیغے کے وزیر الگ الگ مقرر تھے
مثلاً وزیر القلم۔ وزیر الحرب۔ وزیر الخراج۔ ان سب سے بالاتر وزارت اعظم کا منصب تھا۔ جو ذوالریاستین یعنی وزیر الحرب
والقلم کے معزز خطاب سے مخاطب ہوتا تھا۔ اسی رعایت سے اسکا امتیازی پھریرا جس نیزہ پر آویزاں ہوتا تھا اُسکے دو پھل ہوتے تھے

کتابت۔ کاتب کا رتبہ عظمت اور رسوخ کے اعتبار سے قریباً وزیر کے رتبہ کے ہم پلہ تھا وہ تمام فرامین احکام
توقیعات سلطنتہائے غیر کے معاہدے اپنی خاص عبارت میں لکھتا۔ جنپر اپنے دستخط ثبت کرتا تھا اور دونوں

سے نہایت مختصر اور بلیغ عبارت میں مناسب احکام لکھتا تھا اور اسمیں اسقدر کمال بہم پہنچایا گیا تھا کہ جعفر برمکی
کی عام توقیعات بازار میں ایک ایک اشرفی کو بکتی تھیں اور فن انشا کے شائق بڑے شوق سے مول لیتے تھے۔

قضا۔ قاضی جسکو جج وجسٹس کہا جا سکتا ہے اُسکو فیصل مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد
کا انتظام مفلسوں کی خبر گیری وصیتوں کی تعمیل۔ بیوہ کی تزویج (جب کوئی والی نہو) اس قسم کے کام سپرد تھے۔

معدل دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت
لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار و عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ
اُس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اُسکے علاوہ عام حقوق اور مشتبہ جائدادوں و قرضوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا
اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اسی کے دفتر میں ہوتی تھی۔ یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا اور اس لئے نہایت
مشہور راستباز اور ثقہ لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے۔

محتسب کو ان باتوں کی خبر گیری رکھنی پڑتی تھی۔ بازاروں یا مجامع عام میں کوئی امر خلاف شریعت
نہونے پائے جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جاوے۔ کشتی میں زیادہ آدمی نہ سوار ہونے
پائیں۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات گرنے کے قریب ہوں اُن کو اُنکے مالکوں سے کہکر گروا دے جو معلمین لڑکوں
پر زیادہ سختی کرتے ہوں اُنکو سزا دے۔ کوئی شخص ترازو یا پیمانہ وزن سے کم نہ رکھنے پاوے۔ محتسب کے
ساتھ بہت سے سرکاری پیادے ہوتے تھے اور وہ بازاروں اور گلی کوچوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔

ولایت۔ والی یا عامل علی اختلاف مراتب۔ کلکٹر۔ کمشنر۔ لفٹننٹ گورنر اور بعض حالتوں میں گورنر کے
برابر ہوتے تھے۔ مامون کے دربار میں جو لوگ یکے بعد دیگرے وزارت اعظم کے منصب پر ممتاز ہوئے اُنکے
نام یہ ہیں۔ فضل بن سہل۔ حسن بن سہل (یہ دونوں حقیقی بھائی تھے) احمد بن ابی خالد احول ثابت بن یحیی۔ محمد بن
یزداد لیکن وزارت اعظم کا اصلی جاہ و جلال فضل بن سہل کے دم تک قائم رہا اور شاید اسکی برابر تنخواہ بھی
یعنی تیس لاکھ درہم ماہوار کسی اور کو نہیں مقرر ہوئی۔ اسی بنا پر مؤرخوں نے خیال کیا ہے کہ فضل کے بعد
یہ عہدہ توڑ دیا گیا اور حسن وغیرہ جو وزرا مشہور ہیں دراصل کاتب کا منصب رکھتے تھے۔

فضل نسباً و مذہباً مجوسی تھا اور سنہ ۱۹۰ھ میں مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ جعفر برمکی نے ہارون الرشید
کی خدمت میں اس تقریب سے اُسکو پیش کیا کہ شہزادہ مامون کی مصاحبت کے لائق ہے لیکن جب ہارون
نے امتحاناً دربار میں طلب کیا تو شاہانہ عظمت و جلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ رہگیا اور آداب
سلام کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کر سکا۔ ہارون نے متعجبانہ جعفر کی طرف دیکھا فضل نے بڑھکر عرض کی کہ امیر المومنین
غلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر ہوا۔ ہارون پھڑک اُٹھا اور جعفر کے انتخاب
کی تعریف کی۔ فضل شہزادگی کے زمانہ میں مامون کا ندیم خاص رہا اور چونکہ ابتدا میں اسی کے پر زور ہاتھوں نے
خلافت کی کشتی ڈوبنے سے بچالی تھی۔ مامون پر نہایت محیط ہو گیا تھا اور دربار میں کسی شخص کو اسکی مخالفت کا

چونکہ فیاضی کیساتھ عام طور پر حاجت روائے خلق تھا ہر روز حاجت مندوں
کا ایک بازار لگا رہتا تھا۔ اُس نے گھبرا کر ثمامہ بن اشرس سے کہا کہ میں ان لوگوں سے نہایت تنگ آگیا ہوں
ثمامہ نے کہا آپ جس پایہ پر ہیں اُس سے اُتر آئیں تو ایک شخص بھی آپ کو تکلیف دینے نہ آئیگا۔ اس موثر
فقرے نے اس کی فیاضی کو پہلے سے بہت زیادہ کردیا۔

اس شخص نے اُسکو ایک رقعہ لکھا جس میں کسی کی چغلی کھائی تھی۔ فضل نے اُسکے حاشیہ پر لکھدیا کہ
میں غمازی کے قبول کرنیکو غمازی سے بدتر سمجھتا ہوں کیونکہ غماز صرف راستہ بتاتا ہے اور قبول کرنیوالا خود اسپر
چلتا ہے۔ فضل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔ نجوم کا علم مصطلح معنوں میں صحیح ہو یا غلط مگر فضل کی چند پیشنگوئیاں
تاریخی شہادتوں سے ایسی صحیح ثابت ہوگئی ہیں کہ حسن اتفاق کی اس سے عجیب تر مثال نہیں مل سکتی۔ سنہ ۲۰۲ھ
میں مامون کے اشارے سے قتل کیا گیا اس کے اسباب میں ایک صندوق نکلا جس میں ایک حریر کے ٹکڑے پر
یہ عبارت اُسکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، فضل نے اپنی نسبت یہ فیصلہ کیا ہے کہ اڑتالیس برس
زندہ رہیگا پھر آگ اور پانی کے درمیان قتل کیا جائیگا، چونکہ وہ حمام میں مارا گیا اس لیئے اُسکی یہ پیشنگوئی
پورے طور سے صحیح تسلیم کی گئی ہے۔

حسن بن سہل پہلے فارس۔ اہواز بصرہ۔ کوفہ یمن کا گورنر مقرر ہوا تھا فضل کے قتل ہونیکے بعد وزارت
کے منصب پر ممتاز ہوا۔ اسکی قدر شناسی اور فیاضیوں کے فسانے عموماً مشہور ہیں۔ بوران اپنی بیٹی کی شادی
جس شان و شوکت سے کی اُس کو مامون کے حالات میں دیکھنا چاہیئے۔

نہایت فصیح و بلیغ اور نکتہ شناس تھا اُسکے دلاویز فقرے اور پُرزور بلند تحریریں ادب کی تصنیفات میں
اکثر مثالاً پیش کیگئی ہیں۔ عام لوگونکے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتا تھا اور داد خواہوں کے حال پر زیادہ
توجہ رکھتا تھا۔ لوگوں کی سفارش کرنے پر اور تقصیرات کے معاف کرنے میں اُسکو ایک عجیب دلچسپی تھی۔ ایک
شخص نے کچھ جرم کیا تھا حسن نے اسکی شفاعت کا رقعہ لکھدیا وہ نہایت شکر گذار ہوا اور احسان مندی کے
جوش میں دیر تک شکریہ کے الفاظ ادا کئے۔ حسن نے کہا شکر گذاری کی کیا بات ہے۔ شفاعت کرنا ہم لوگ
جاہ و عزت کی زکوٰۃ سمجھتے ہیں وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ قیامت میں جس طرح مال کی زکوٰۃ سے سوال ہوگا قدر و منصب
کی زکوٰۃ کی بھی پرسش ہوگی ؛

افسوس ہے کہ حسن نے وزارت سے کچھ زیادہ عرصہ تک حظ نہیں اُٹھایا فضل کے قتل کا اسکو ایسا صدمہ پہنچا
تھا کہ رات دن کے رونے اور فریاد کرنے سے مختل الحواس ہوگیا اور آخر یہانتک نوبت پہنچی کہ پاؤں میں
بیڑیاں پہنائی گئیں سنہ ۲۳۱ھ میں بمقام سرخس وفات کی۔

احمد بن ابی خالد الاحول حسن بن سہل کی درخواست پر اُسکا قائم مقام مقرر ہوا تھا۔ مامون نے جب اُسکو
مستقل کرنا چاہا تو اُس نے انکار کیا اور کہا کہ جو خدمت مجھ سے لیجائے میں حاضر ہوں لیکن وزارت کے

قبول نہ کی اور خلعت وزارت عطا کیا احمد نے نہایت لیاقت اور عظمت و شان کیساتھ وزارت کی۔ مامون بھی اس کی نہایت عزت کرتا تھا۔ ایکبار کسی نے عرضی دی کہ وزیر اعظم احمد کھانے کا بہت شائق ہے اور جسکی دعوت کھالیتا ہے مقدمات میں خلاف انصاف اسکی طرفداری کرتا ہے،، مامون نے اس شکایت پر اگر کچھ لحاظ کیا تو یہ کیا کہ تنخواہ کے علاوہ ہزار درہم روزانہ احمد کے دسترخوان کیلئے مقرر کر دیئے احمد کی وزارت ختم ہونیکے ساتھ مامون کا زمانہ خلافت بھی قریباً ختم ہوتا ہے باقی اور لوگ جو برائے نام وزیر کہلائے ان کی چند روزہ اور گمنام وزارت کوئی تاریخی اثر نہیں رکھتی اور اس لئے ان کے حالات سے اگر ہم قطع نظر کریں تو شاید ناموزوں نہ ہوگا۔

کتابت۔ مامون کے دربار میں جو لوگ اس معزز منصب پر مقرر ہوئے اپنے فن میں بےمثل و یگانہ روزگار تھے عمرو بن سعدت المتوفی ۲۱۵ھ بہت بڑا نامور فاضل تسلیم کیا گیا ہے۔ بڑے بڑے مضمون کو مختصر لفظوں میں اس خوبی سے ادا کرتا تھا کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پورا قائم رہتا تھا۔ احمد بن یوسف کا بیان ہے کہ ایکبار میں مامون کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ایک خط پڑھ رہا تھا اور عجیب محویت کے عالم میں تھا۔ بار بار پڑھتا تھا اور جھومتا تھا۔ ہاتھ سے رکھدیتا تھا اور پھر اُٹھا لیتا تھا۔ مجکو دیکھا تو کہا امیر المومنین ہارون فرمایا کرتے تھے۔ بلاغت اسکا نام ہے کہ نہایت مختصر لفظوں میں مطلب ادا ہو اور مضمون کا زور اور اثر قائم رہے امیر المومنین نے جو فرمایا تھا اس خط نے آنکھوں سے دکھا دیا،، یہ کہکر مامون نے خط کی عبارت پڑھکر سنائی جو فوج کی باقی تنخواہ کی نسبت ایک سکایت آمیز عرضی تھی خط کے خاص الفاظ یہ ہیں کتابی الی امیر المؤمنین ومن قبلی من الاجناد والقواد فی الطاعة والانقیاد علی احسن ما یکون علیہ طاعة جند تاخرت عطیاتہم واختلف احوالہم، یعنی امیر المومنین کو خط لکھ رہا ہوں اور فوج وافسران فوج اطاعت اور انقیاد کے اس عمدہ تر درجے پر ہیں جہانتک کہ ایک ایسی فوج کا ہونا ممکن ہے جس کی تنخواہیں نہ ملی ہوں اور تباہ حال ہو رہی ہو۔

مامون کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف فن بلاغت میں اس درجہ کا مسلم الثبوت استاد تھا کہ اس زمانہ میں فضل و کمال کی اس ترقی کیساتھ بھی کوئی شخص اسکی ہمسری کا دعوٰی نہیں کر سکتا۔ طاہر بن الحسین نے مامون کو امین کے قتل کا جو خط لکھا تھا۔ اور جو اختصار و حسن ادا و بلند خیالی کے لحاظ سے ضرب المثل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی احمد بن یوسف کا نتیجہ طبع تھا۔ وزیر اعظم۔ احمد احول اکثر مامون کے سامنے اس (احمد بن یوسف کاتب) کا تذکرہ نہایت تعریف کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ مامون نے اُسکو دربار میں طلب کیا۔ احمد نے آداب و تسلیم کے بعد اس فصاحت و لطف سے گفتگو کی کہ مامون حیران رہگیا اور کہا و کمال تعجب ہے کہ احمد آجتک اپنے کو چھپا کیونکر سکا، علامہ ابو اسحٰق حصری نے زہر الآداب میں بہت سے اُس کے لطیف و فصیح و بلیغ خطوط و اشعار نقل کئے ہیں ہم اس موقعہ پر صرف ایک شعر پر اکتفا کرتے ہیں۔ **شعر**

اذا ما التقینا والعیون نواظر	فالسنتنا حرب وابصارنا سلم

(ترجمہ) جب ہم محبوب سے ملتے ہیں تو زبانیں لڑتی ہیں (یعنی باہم شکایت کے دفتر کھولتے ہیں) اور نگاہیں صلح کر لیتی ہیں۔

صدر قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب ہوتا تھا اس بلند منصب پر یکے بعد دیگرے دو شخص ممتاز ہوئے
یحییٰ بن اکثم و احمد بن ابی داؤد۔ یحییٰ بن اکثم حکومت کی عظمت و جاہ کیساتھ پیشوائے مذہبی تسلیم کئے گئے ہیں۔
ان کی جلالت و شان کے لئے یہ امر کافی ہے کہ امام بخاری و ترمذی فن حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ قاضی
یحییٰ کے ذاتی کمال اور پولٹیکل لیاقت نے اُنکو وزیر اعظم کے رتبہ تک پہنچادیا تھا۔ دفتر وزارت کے تمام
کاغذات پہلے اُن کی نگاہ سے گذر لیتے تھے۔ تب سند قبول پاتے تھے۔ ان کی تقرری کی ابتدا اس طرح ہوئی
کہ مامون نے ایک خالی شدہ عہدہ قضا پر کسی کو مقرر کرنا چاہا۔ امیدواروں میں یہ بھی پیش کئے گئے اور چونکہ کریہہ
منظر تھے۔ مامون نے حقارت آمیز نگاہ سے ان کی طرف دیکھا۔ یہ سمجھ گئے اور عرض کی کہ اگر میری صورت سے
غرض ہے تو خیر۔ ورنہ اصلی لیاقت کا حال امتحان سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مامون نے امتحاناً پوچھا کہ "ایک میت نے
والدین اور دو بیٹیاں چھوڑیں پھر ایک بیٹی مری اور وہی پہلے ورثہ باقی رہے ترکہ کیونکر تقسیم ہوگا" یحییٰ نے کہا میت
مرد ہے یا عورت" مامون اس سوال ہی سے سمجھ گیا کہ قاضی یحییٰ نے اصل مسئلہ سمجھ لیا ہے۔ جب یہ بصرہ کے قاضی
مقرر ہو کر گئے تو اُن کا سن کل بیس برس کا تھا۔ اُن لوگوں نے اُن کی کم سنی سے تعجب کیا اور ایک شخص نے خود اُن
سے پوچھا کہ حضور کی عمر کس قدر ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ عتاب بن اسید کی عمر سے (جنکو رسول اللہ صلعم نے
مکہ معظمہ کا قاضی مقرر کیا تھا) زیادہ ہے" متعہ کی نسبت اُنہوں نے مامون سے گفتگو کی تھی اُسکو ہم مامون کے
حالات میں لکھ آئے ہیں۔ مامون کمال قدر دانی سے انکو خود اپنے تخت پر جگہ دیتا تھا فقہ کی تصنیفات نہایت
اعلیٰ رتبہ کی ہیں فقہائے عراق کے رد میں ان کی ایک کتاب جس کا نام تنبیہ ہے۔ ایک مشہور کتاب ہے۔

لطیفہ قاضی یحییٰ کسی قدر حسن پرستی کا چسکا بھی رکھتے تھے۔ ایک بار مامون نے امتحاناً چند خوبصورت اور پری پیکر
غلاموں کو حکم دیا کہ جب میں اُٹھ جاؤں تو تم لوگ قاضی صاحب کو چھیڑو۔ غلام شوخیاں کرنے لگے تو قاضی نے
اُن کی طرف حسرت آمیز نگاہ سے دیکھا اور کہا "ظالمو! تم نہ ہوتے تو ہم لوگ پکے مسلمان ہوتے۔ مامون پردے
سے یہ گفتگو سُن رہا تھا۔ یہ شعر پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

وکنا نرجی ان نری العدل ظاہراً	فاعقبنا بعد الرجاء قنوط
متی تصلح الدنیا و یصلح اہلہا	و قاضی قضاۃ المسلمین شلوط

لطیفہ۔ مامون کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مامون نے قاضی یحییٰ سے کہا آؤ چپکے چلکر
اسکا حال دریافت کریں۔ دونوں معمولی لباس پہنکر اس کے پاس گئے اور پوچھا آپ کا معجزہ کیا ہے اس نے
کہا "مجکو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے" مامون نے کہا اسوقت بھی کوئی وحی اتری ہے اُس نے کہا ہاں"
یہ الہام ہوا کہ دو شخص تم سے ملنے آتے ہیں ایک بادشاہ ہے اور دوسرا انتہا درجہ کا شاہد باز۔ مامون بیساختہ
ہنس پڑا۔ اور چلا اُٹھا واللہ انک لرسول اللہ۔ ان باتوں کو ان بزرگوں کی بے تکلفی اور رنگین طبعی کا اقتضاء
سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ قاضی صاحب کے زہد اور اتقا و ورع میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ اس بحث کے متعلق

قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد - نہایت بڑے فقیہہ - اصولی متکلم - شاعر تھے - دعبل خزاعی نے جو مامون کے عہد کا مشہور شاعر ہے - کتاب الشعراء میں ان کا ذکر کیا ہے ایک دن قاضی یحییٰ بن اکثم کے یہاں فقہا علمار کا مجمع تھا - یہ بھی اس جلسہ میں موجود تھے کہ شاہی چوبدار آیا اور کہا کہ امیر المومنین مامون نے قاضی صاحب کو مع تمام حاضرین دربار میں طلب کیا ہے یہ پہلا موقع تھا کہ قاضی احمد کو دربار میں رسائی ہوئی - مامون نے ان سب سے علمی بحثیں کیں - قاضی احمد کی باری آئی تو ان کی برجستگی اور طباعی سے متعجب ہو کر نام و نسب پوچھا اور حکم دیا کہ آج سے علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کریں - قاضی احمد سے پہلے دربار کا یہ آئین تھا کہ جبتک خلیفہ خود کوئی بات نہ چھیڑے کسی شخص کو گفتگو کا مجاز نہیں تھا - قاضی احمد پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس جابرانہ قاعدے کو توڑا - اور حق یہ ہے کہ جس آزادی اور دلیری سے وہ اپنے فرائض ادا کرتے تھے شخصی حکومتوں میں اس کی بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں - خلیفہ معتصم باللہ کی سطوت و قہر سے تمام دربار کانپتا تھا - مگر قاضی احمد جو چاہتے تھے کہتے تھے اور معتصم کو سننا پڑتا تھا - معتصم نے جب برمکی کے قتل کا حکم دیا تو دربار میں سناٹا ہو گیا اور اس کی غضبناک صورت دیکھکر سب کے حواس جاتے رہے - محمد برمکی چمڑے پر بٹھایا گیا اور جلاد نے تلوار کو جنبش دی - قاضی احمد نے بڑھکر کہا آپ قتل تو کرتے ہیں مگر اس کے مرنے کے بعد اسکا مال اسباب آپ کیونکر لے سکتے ہیں" معتصم نے نہایت طیش میں آکر کہا "مجکو اسکے مال لینے سے کون روک سکتا ہے - قاضی احمد نے کہا "خدا اور اسکا رسول" "کیونکہ شرعاً مال وارث کو مل سکتا ہے اور جبتک آپ اسکے قتل کو جائز نہ ثابت کردیں وارث وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا" قاضی احمد نے یہانتک مجبور کیا کہ معتصم آخر اس ارادے سے باز رہا - اکثر ہوتا تھا کہ معتصم قاضی کو آتے دیکھکر درباریوں سے کہتا تھا کہ قاضی صاحب آکر دنیا بھر کی سفارشیں اور لوگوں کی درخواستیں پیش کرینگے میں ہرگز انکی سب خواہشیں منظور نہیں کر سکتا - لیکن وہ اپنے زور تقریر اور حسن ادا سے جو کچھ چاہتے تھے منظور کرا لیتے تھے - مذہباً معتزلی تھے سنہ ۲۳۷ھ میں خلیفہ متوکل باللہ نے ان کو عہدہ قضا سے معزول کیا اور ان کی اولاد سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں تاوان کے طور پر وصول کیں سنہ ۲۴۰ھ میں انتقال ہوا[۵۲]۔

گورنر و لفٹننٹ - عمالوں کے طبقہ میں خاص خاص شہر کے عامل و والی جو کلکٹر کے مساوی المرتبہ کہے جا سکتے ہیں بیشمار تھے - اور گو ہم انکا مفصل رجسٹر مرتب نہیں کر سکتے - تاہم جہانتک ہم معلوم کر سکتے ہیں - اس سلسلے میں غیر مذہب والے بہت کم داخل تھے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بالکل نہیں تھے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس عہدے کے ساتھ عموماً فوجی خدمت شامل ہوتی تھی اور دوسرے مذہب والے اس خدمت کو پسند نہیں کرتے تھے یا مسلمانوں کو خود ان پر اعتماد نہیں ہوتا تھا - قدیم اسلامی حکومتوں میں عیسائی یہودی وغیرہ قوموں کو جو عہدے ملتے تھے زیادہ تر دفتر خراج و خزانہ و میرمنشی و کتابت کے عہدے تھے -

---

(۵۱) مامون کا بھائی تھا - اور اسکے بعد تخت خلافت پر بیٹھا - بڑی عظمت و اقتدار سے حکومت کی - خاندان عباسیہ کی

... اُن کی عادت تھی کہ ظہار ناراضی کا اظہار کرتی تھی۔ اور اگر وہ باز نہیں آتا تھا تو متفق ہو کر اسکو نکال دیتی تھی۔
۱۹۸ھ میں جب عبداللہ (ایک عباسی شہزادہ تھا) مصر کا گورنر ہو کر گیا۔ اور رعایا پر سختی کی تو لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا
اور نہایت ذلت کے ساتھ مصر سے اسکو نکالدیا مامون کی تاریخ خلافت میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں
مامون کے عہد میں جو لوگ لفٹنٹ یا گورنر مقرر ہوئے۔ ان میں طاہر بن الحسین سری بن الحکم۔
عبداللہ بن السری۔ عبداللہ بن طاہر حسن بن سہل نہایت نامور اور مدبر تھے اور خصوصاً طاہر کا خاندان تو
اقتدار کے اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ مامون کے بعد خراسان میں مستقل حکومت کی بنیاد قائم کر لی۔
عبداللہ بن طاہر شجاعت اور تدبیر کے علاوہ نہایت بڑا ادیب۔ محدث۔ شاعر۔ موسیقی دان تھا۔ اس کی
فیاضیوں کے سامنے مامون کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتی تھی جس زمانہ میں وہ مصر کا گورنر تھا ایک
دن کوٹھے پر چڑھا دیکھا کہ لوگ کھانا پکانے کے لئے آگ جلا رہے ہیں حکم دیا کہ سب کے لئے کھانا کپڑا مقرر کر دیا جائے
یہ کل ہزار آدمی تھے اور جبتک عبداللہ زندہ رہا لوگوں کو اسکی سرکار سے وظیفہ ملتا رہا مصر میں داخل ہونیسے
پہلے راہ میں جسقدر اس نے خیرات کی اسکا اندازہ ایک کروڑ درہم سے زیادہ کیا گیا۔ ابو تمام طائی جسکی کتاب الحماسہ
آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اسی کے دربار کا شاعر تھا۔ تمام خاندان شاہی اسکی (عبداللہ بن طاہر کی) نہایت
عزت کرتا تھا ۲۱۱ھ میں جب وہ اس سامان سے بغداد میں داخل ہوا کہ شام موصل وغیرہ میں جن لوگوں
نے علم بغاوت بلند کئے تھے پا بزنجیر اُسکے جلوس میں ساتھ تھے تو تمام بغداد خاندان خلافت اور خود معتصم باللہ
اُس کے استقبال کو نکلا۔ مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کرا دیئے ان تمام مصارف پر
جب مرا تو چار کروڑ درہم خاص اُس کے خزانہ میں موجود تھے۔

مامون کے وقت کے اہل کمال

مورخ کا یہ ضروری فرض ہے کہ جس عہد کا حال لکھے اس زمانہ کے اہل فضل و کمال کا بھی تذکرہ کرے جس سے
ملک کی تہذیب و ترقی اور فرمانروائے وقت کی علمی فیاضیوں کا اندازہ ہو سکے لیکن بغداد کی تاریخ میں اس فرض
کو اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو اصل کتاب کے علاوہ کئی جلدیں تیار کرنی پڑینگی۔ مامون کا دربار۔ اکبری شاہجہانی
دربار نہیں ہے کہ دانش اندوزان دولت کے لئے آئین اکبری و شاہجہان نامہ کے چند صفحے کافی ہوں۔
مامون کی حکومت بغداد سے لیکر شام افریقہ۔ ایشیائے کوچک۔ ترک۔ تاتار۔ خراسان۔ ایران
سندھ تک پھیلی ہوئی ہے اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ میں علمی کارخانے کھلے ہوئے ہیں جسکا صدر مقام
اور اصلی مرکز دار الخلافہ بغداد ہے۔ اُس زمانہ کی وسعت تعلیم کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب علامہ نضر بن شمیل نے
مامون کی قدردانی کا شہرہ سنکر بصرہ سے خراسان جانے کا قصد کیا تو انکی مشایعت کیلئے جو لوگ شہر سے نکلے
انکی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے ایک شخص بھی الساننہ تھا جو محدث یا نحوی یا لغوی یا عروضی یا اصولی کے معزز

لقب سے ممتاز نہ ہوئے۔ امام بخاری اسی زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی کتاب جامع صحیح خود ان سے جن لوگوں نے پڑھی وہ تعداد میں نوے ہزار سے کم نہ تھے۔

تاریخ میں اگر کوئی زمانہ اہل کمال کے پیش کرنے پر ناز کر سکتا ہے تو مامون کا عہد حکومت اس فخر میں سب سے مرجح ثابت ہوگا۔ فقہا و محدثین میں سے یحییٰ بن معین امام بخاری محمد بن سعد کاتب واقدی ابن علیہ سفیان بن عیینہ۔ عبدالرحمن بن مہدی۔ یحییٰ القطان۔ یونس بن بکیر۔ ابومطیع البلخی شاگرد امام ابوحنیفہ اسحٰق بن الفرات۔ قاضی مصر حسن بن زیاد اللولوی شاگرد امام ابوحنیفہ۔ حماد بن اسامہ۔ حافظ ابن ہشام۔ روح بن عبادہ۔ ابوداؤد والطیالسی۔ غازی بن قیس شاگرد امام مالک امام واقدی ابوحسان زیادی۔ محمد بن نوح العجلی علی بن ابی مقاتل۔ یہ لوگ ہیں کہ آج مذہبی علوم کے ارکان انہیں کی روایتوں پر قائم ہیں اور خصوصاً امام شافعی و امام احمد حنبل کا تو وہ پایہ ہے کہ اسلامی دنیا کے بڑے حصوں میں انہیں کے اجتہادی مسائل گیارہ سو برس سے آجتک مذہبی قانون بنے ہوئے ہیں۔ ان فقہا و محدثین کی تصنیفات مامون کے عہد خلافت کی وہ علمی یادگاریں ہیں جنکی نظیر کوئی دوسرا زمانہ بمشکل لاسکتا ہے۔

ابو ہذیل و ثمامہ بن اشرس۔ جو مامون کے مقرب خاص اور ندیم تھے۔ فرقہ ہذلیہ اور ثمامیہ کے بانی ہیں ابو ہذیل نے مذہب اعتزال میں دس نئے اصول اضافہ کئے جس میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص غور کرنے کے بعد خدا کو نہ جان سکا۔ اگر خدا کا انکار کرے تو معذور ہے اور اسیر عذاب نہ ہوگا۔ عیسائیوں میں فرقہ نسطوریہ کا جو بانی ہے وہ مامون ہی کے عہد خلافت کا ایک نامور حکیم تھا جسکا نام نسطور تھا۔

اس عہد میں خیالات کی وسعت اور متعدد بانیان مذہب کا پیدا ہونا زیادہ تر اس آزادی کا اثر تھا جو مامون نے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں عام لوگوں کو دے رکھی تھی۔ کیونکہ بجز ایک مسئلہ "خلق قرآن" کے اُس نے مذہبی آزادی کو کبھی روکنا نہ چاہا وہ خود معتزلی یا شیعی تھا۔ لیکن اُس کے دربار میں قدری و جہمی اور تمام دوسرے مذہب والے بھی نہایت عزت و وقار کے ساتھ بار پاتے تھے اسکی شاہانہ فیاضیاں ہر فرقہ پر ایک نسبت کے ساتھ مبذول رہتی تھیں۔

علما اور مترجمین

مامون کے دربار میں فلسفہ و نجوم کے ماہروں اور کتب حکمت کے مترجموں کا جو گروہ تھا ان میں سے مشہور لوگ یہ ہیں۔ حنین بن اسحٰق عیسائی۔ یسوع عیسائی۔ قسطا بن لوقا عیسائی۔ یوحنا ماسویہ عیسائی ابن البطریق عیسائی۔ یعقوب کندی عیسائی۔ ماشاء اللہ یہودی۔ دوبان ہندو۔ جویل کحال۔ حجاج بن یوسف کوفی۔ ابو حسان سلما مہتمم بیت الحکمۃ۔ ابوجعفر یحییٰ بن عدوی۔ محمد بن موسیٰ منجم۔ محمد بن موسےٰ خوارزمی۔ محمد بن موسیٰ حسن بن موسیٰ احمد بن موسیٰ علی بن العباس۔ احمد الجوہری یحییٰ بن ابی المنصور۔ حجاج بن المطر جیش الحاسب۔ احمد بن کثیر۔ فرغانی مصنف مدخل الی علم ہیئۃ الافلاک۔ عبداللہ بن سہل بن نوبخت۔ سہل بن ہرون۔ خالد بن عبدالملک المروزی سند بن علی۔ عاص بن سعید الجوہری۔ اکثر مترجموں کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں عبداللہ بن سہل نجوم میں اور یحییٰ بن ابی المنصور علم رصد میں نامور تھے۔ موسیٰ بن شاکر اوائل میں رہزنی کیا کرتا

اسحق بن ابراہیم [illegible] کے متعلق تھی اور جب کسی قدر بڑے ہوئے تو حکم دیا کہ یحیی بن ابی المنصور کے ساتھ بیت الحکمتہ میں کام کیا کریں۔ تھوڑے دن میں ان سب نے فلسفہ و ہیئت میں بڑی ناموری حاصل کی اور علوم و فنون کے سرپرست بن گئے۔ ان میں سے محمد نے رفتہ رفتہ بڑا اقتدار حاصل کیا اور سپہ سالار فوج مقرر ہوا۔ احمد نے زیادہ تر علم الحیل کی طرف توجہ کی اسکی کتاب الحیل کی نسبت علامہ ابن خلکان نے نہایت تعجب ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ عجیب و غریب صنائع حکمت پر مشتمل ہے۔ حسن کو علم ہندسہ میں نہایت کمال تھا حالانکہ تحصیل کے طور پر صرف چند ہی مقالے پڑھے تھے۔ ایک دن مروزی نے مامون کے سامنے اعتراض کے طور پر کہا کہ حسن نے اقلیدس کے صرف چھ مقالے پڑھے ہیں۔ حسن نے کہا "میں ہر شکل کو خاص اپنے طریق استدلال سے ثابت کر سکتا ہوں اس حالت میں مجکو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے"، مامون نے یہ فخریہ جواب تسلیم کیا مگر یہ کہا کہ "ناتمام چھوڑ دینے سے تمہاری طبیعت کی کاہلی ظاہر ہوتی ہے۔ علم ہندسہ فلسفہ کے لئے اسی قدر ضروری ہے جس قدر کہ الف ب ت ث گفتگو کیلئے۔

ادب و عربیت کے ماہرین میں فرّا نحوی۔ اصمعی۔ ابو عبیدہ نحوی نضر بن شمیل المتوفی ۲۰۴ھ یزیدی نحوی کلثوم عتابی۔ ابن الاعرابی۔ تغلب نحوی۔ ابو عمرو الشیبانی۔ اخفش نحوی۔ قطرب نحوی المتوفی ۲۰۶ھ جو مامون کے ہمعصر اور اکثر اُسکے خوان کرم سے فیضیاب تھے۔ ان لوگوں نے فن ادب و عربیت کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ آج جس قدر دنیا میں عربی ادب کی تصنیفات موجود ہیں انہیں کی تحقیقات اور روایتوں سے مالا مال ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ اگر انکا واسطہ بیچ سے اُٹھا دیا جائے تو خود ان فنون کی بنیاد قائم نہ رہے گی۔

فرّا صرف علم نحو۔ بلکہ لغت۔ فقہ۔ نجوم۔ طب۔ ایام العرب میں بھی کمال درجہ رکھتا تھا ثعلب کا قول ہے کہ اگر فرّا نہ ہوتا تو آج علم عربیت نہ ہوتا۔ فرّا کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کے صفحوں کی مجموعی تعداد تقریباً چھ ہزار ہے ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔

اصمعی بصرہ کا رہنے والا عربی علم لغت قریباً ایک خمس اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ اور قسم قسم کے اشعار ایک طرف بارہ ہزار صرف رجز کے شعر یاد تھے۔ ابو عبیدہ و اصمعی ہمزبان اور علوم عربیہ میں حریف مقابل سمجھے جاتے تھے۔ ایکبار دونوں فضل بن الربیع (وزیر امین الرشید) کے پاس حاضر تھے۔ فضل نے اصمعی سے پوچھا کہ وہ تمنے گھوڑے کے اوصاف میں جو کتاب لکھی ہے کتنی جلد وں میں ہے"، اصمعی نے کہا "صرف ایک جلد"، ابو عبیدہ سے پوچھا تو اُس نے بڑے فخر سے کہا "میری کتاب پچاس جلدوں میں ہے"، اصمعی نے فضل سے کہکر ایک گھوڑا منگوایا۔ اور اُسکے ایک ایک عضو پر ہاتھ رکھکر اُسکے متعلق عرب کے اشعار پڑھتا گیا۔ ابو عبیدہ سے جب فرمائش کیگئی کہ اسطرح وہ بھی ہر عضو کے متعلق اشعار سنائے تو اس نے انکار کیا۔ فضل نے وہی گھوڑا اصمعی کو انعام میں دیا اصمعی کا بیان ہے کہ جب میں ابو عبیدہ کو چھیڑنا چاہتا تھا تو اسی گھوڑے پر سوار ہو کر اس سے ملنے جاتا تھا۔

مامون کے وزیر حسن بن سہل نے بھی اپنے دربار میں ابو عبیدہ و اصمعی کو طلب کیا تھا اور اصمعی کو قوت حافظہ پر

یزیدی مامون کا اُستاد تھا۔ ابن ابی العتاہیہ نے ادب کے متعلق اُسکے لکچر جمع کئے جو تخمیناً دس ہزار ورق ہیں۔ یزیدی کے پانچ بیٹے تھے اور ہر ایک ادب شعر ایام العرب میں اُستاد کامل تھا ۲۰۲ھ میں انتقال کیا۔

ابوعمرو ابوعمرو ایشیائی لغت و شعر کا امام تھا۔ امام حنبل اُسکے شاگرد تھے۔ ابوعمرو نے قبائل عرب میں سے اسی کے قبیلوں کے اشعار جمع کئے ہیں۔ کتاب الخیل۔ کتاب اللغات۔ کتاب النوادر الکبیر وغیرہ اسکی تصنیفات ہیں

اخفش اخفش نحو کا مشہور امام ہے۔ عروض میں بحر مجتث اسی کی ایجاد ہیں۔ معانی القرآن کتاب الاشتقاق کتاب العروض۔ کتاب الاصوات۔ کتاب المعانی والشعراء اور اس کے سوا بہت سی تصنیفیں کیں ۲۰۶ھ میں انتقال کیا۔

ابوعبیدہ ابوعبیدہ۔ لغت اور اشعار عرب کا بڑا ماہر تھا فضل بن الربیع نے اُسکو بصرہ سے طلب کیا تھا۔ جب دربار میں حاضر ہوا تو بڑی عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور شخص کاتبوں کا لباس پہنے حاضر ہوا فضل نے اُسکو بھی اپنے پہلو میں جگہ دی اور کہا ان کو پہچانتے ہو ابوعبیدہ انھیں کا نام ہے وہ شخص مدتوں سے ابوعبیدہ کے ملنے کا مشتاق تھا۔ اس نعمت غیر مترقبہ کی بڑی شکرگذاری کی ابوعبیدہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ایک شبہ جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتا ہے عرض کروں۔ ابوعبیدہ نے منظور کیا۔ اُس نے کہا قرآن کی اس آیۃ میں "طلعها کانه رؤس الشیاطین" خدا نے شیاطین کے سر سے تشبیہ دی ہے حالانکہ تشبیہ ایسی چیز سے ہونی چاہیئے جس کو لوگ جانتے پہچانتے ہوں۔ ابوعبیدہ نے کہا خدا عرب کے مذاق کے موافق کلام کرتا ہے۔ امرأ القیس کہتا ہے ع ومسنونة زرق کانیاب اغوال حالانکہ بھوت اور شیطان کو اہل عرب نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ چونکہ عام خیال میں شیطان کی صورت پُرخوف تسلیم کی گئی ہے اس لئے خدا نے خوف کے موقع پر اس کی تشبیہ دی ہے۔ ابوعبیدہ نے اس واقعہ کے بعد مجاز القرآن ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس قسم کی آیتوں کی توضیح کی۔ ابوعبیدہ کی تصنیفیں قریباً دو سو ہیں جن میں سے پچاس کا ذکر علامہ ابن خلکان نے کیا ہے ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔

ابن الاعرابی ابن الاعرابی۔ امام العربیۃ کے لقب سے مشہور ہے۔ کسائی کا شاگرد تھا علم لغت میں قدیم مصنفوں کی اکثر غلطیاں ثابت کیں قریباً سو آدمی اس کے حلقہ درس میں بیٹھتے تھے اور بغیر کسی کتاب یا یادداشت کے درس دیتا تھا۔ حلقہ درس میں دور دراز کے طلبا حاضر رہتے تھے ایک دن اس نے دو طالبعلموں سے ان کا نام و نسب پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک اسبیجاب اور دوسرا اندلس کا رہنے والا ہے اس بُعدالمشرقین کے اجتماع پر خود ابن الاعرابی کو بھی تعجب ہوا ۲۳۱ھ میں انتقال کیا

ہم اس بحث کو اس اعتراف کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ جس قدر لکھنا چاہیئے تھا اس کا دسواں حصہ بھی ہم نے نہیں لکھا۔

مامون کے درباریوں کے ساتھ اب ہم مامون سے رخصت ہوتے ہیں۔

محمد شبلی پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڈھ

الجزیہ

لفظ جزیہ کی تحقیق کہ کس زبان کا لفظ ہے اور جزیہ لینا کس نے ایجاد کیا اور کن کن لوگوں سے
اور کس وجہ سے لیا جاتا تھا اور کس قسم کے محصولوں پر اُس کا اطلاق ہوتا تھا۔ اور عربی
زبان میں یہ لفظ کیونکر داخل ہوا اور اسلام میں کس بنا پر جاری رہا۔

مؤلفہ

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڈھ

انتباہ

یہ مضمون ایکدفعہ رسالہ حسن میں چھپا تھا مگر اسپر نظر ثانی کیگئی اور باضافہ بعض امور قومی پریس دہلی
میں چھپکر شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزیہ

غیر مذہب والوں نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت ناگواری سے سُنا ہے ان کا خیال ہے کہ اسلام
اس لفظ کا موجد ہے اسلام ہی نے یہ اصول پیدا کئے جس نے اس کا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب
والوں میں ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنا تھا۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ جزیہ
ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کیلئے اسلام کا قبول کر لینا بھی گوارا کر لیا جاتا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ
جبراً مسلمان کرنیکا ایک قوی ذریعہ تھا لیکن یہ تمام غلط خیالات اُنھیں غلط فہمیوں سے پیدا
ہوئے ہیں جو غیر قوموں کو اسلام کی نسبت ہیں۔ ہم اس موقع پر تین حیثیتوں سے جزیہ پر بحث
کرنی چاہتے ہیں۔

(۱) جزیہ اصل میں کس زبان کا لفظ ہے اور کن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۲) ایران اور عرب میں جزیہ کی بنیاد کب سے قائم ہوئی۔

(۳) اسلام نے اُسکو کس مقصد سے اختیار کیا لیکن ہم جو کچھ لکھیں گے تاریخی حیثیت سے لکھیں گے۔

پہلی بحث۔ جزیہ گو اب مصطلح معنی میں خاص ہو گیا ہے لیکن لغت کی رُو سے وہ خراج اور جزیہ

اپنی کتاب مد القاموس میں جو نہایت جامعیت اور تحقیق سے لکھی ہے اس کی نسبت دو احتمال

قرار دیئے ہیں (۱) جزی سے مشتق ہے (۲) گزیہ کا معرب ہے بطرس صاحب نے بھی محیط المحیط

میں یہ دوسرا قول نقل کیا ہے لیکن اسکو مستند نہیں سمجھتے فارسی لغت نویسوں نے گزیت کی لغت

میں تصریح کی ہے کہ جزیہ اسی کا معرب ہے۔

برہان قاطع میں ہے "گزیت بفتح اول وکسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہر سالہ از رعایا گیرند وآنرا

خراج ہم گویند وزرے را نیز گویند کہ از کفار ذمی ستانند۔ نظامی گوید ؎

گہش خاقاں خراج چین فرستد گہش قیصر گزیت دین فرستد

وآنچہ شہرت دارد بکسر اول وفتح ثالث است ومعرب آں جزیہ باشد"

فرہنگ جہانگیری کے مصنف نے دوسرے معنی کی سند میں حکیم سوزنی کا یہ شعر سند انقل کیا ہے

کتاب خویش نخواہم ز رد عمل نکنم کہ تا گزیت ستانند ناخور اہل کتاب

اور یہ بھی لکھا ہے کہ جزیہ اسی کا معرب ہے۔

ہم کو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جزیہ اصل فارسی کا لفظ ہے۔ تصریحات لغت کے علاوہ

تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے۔ یہ مسلم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا

تھا۔ یہ مسلم ہے کہ فارسی میں گزیت کا لغت اسی معنی میں قدیم سے شائع ہے تاریخی شہادتوں سے

(جیسا کہ ہم آیندہ بیان کرینگے) یہ بھی ثابت ہے کہ نوشیرواں نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے۔ اور اُس زمانہ میں نوشیرواں

کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے اس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب میں پھیلا اور معرب

ہو کر جزیہ ہو گیا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک میں جب فرمانروایان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہیں تو

سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہیں جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہیں۔ زبان عرب میں جس قدر فارسی

الفاظ معرب ہو کر شائع ہو گئے ہیں کسی اور زبان کے نہیں ہوئے اُس پر طرہ یہ ہے کہ جزیہ کا لفظ

معرب ہونے کے لئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا۔ صرف ایک حرف کی تبدیل اور دو ایک حرکت کے تغیر

سے وہ عربی قالب میں پورا اتر گیا۔

دوسری بحث جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایران وعرب میں خراج وجزیہ کے وہ قواعد جو بادنیٰ تغیر اسلام

میں رائج ہیں۔ نوشیرواں کے عہد میں مرتب ہوئے۔ علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں

ایک مضمون اس عنوان سے لکھا ہے ذکر ما فعلہ کسریٰ فی الخراج والجند جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ نوشیرواں نے زمین کی پیمائش کرائی اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی اور تمام لوگوں پر باستثنائے

اہل فوج ورؤسا وارکان دولت جزیہ مقرر کیا[1] جس کی تعداد بارہ درہم، آٹھ درہم، چھ درہم، چار درہم تھی"

خراج کے ذکر کے بعد مورخ مذکور لکھتا ہے کہ وھی الوضائع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب

---

[1] علامہ ابن الاثیر نے اس موقع پر جزیہ کا ہی لفظ استعمال کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی اسی اصطلاح نہیں

کم از پچاس برس سے زیادہ عمر والے تو جزیہ سے معاف کیا۔ جس غرض سے نوشیرواں نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا۔ اس کی وجہ علامہ موصوف نے نوشیرواں کے اقوال سے یہ نقل کی ہے کہ اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتے ہیں اس لیے لوگوں کی آمدنی سے ان کے لئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی کہ ان کی محنتوں کا معاوضہ ہو "

خراج و جزیہ کے متعلق جو کچھ ابن الاثیر نے لکھا اس کی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے اگرچہ بعض امور میں دونوں کا بیان مختلف ہے۔ ہم اُن اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے ہیں ؎

همہ بادشاہاں شدند انجمن
گزیتے نہادند بر یک درم
گزیت رزبار ور ششش درم
کسے کس درم بود دہقاں نبود
گذارند از دو درہم تا چہار
دبیر و پرستند و شہریار

زمیں را بہ بخشید و بر روزمن
گرایدون کہ دہقان بودی وژم
بجز ماستاں برہمیں رو رقم
نبودے غم و رنج کشت و رود
بسالے از و لبتدی کا و دار
نبودے بدیواں کسے را شمار

دونوں روایتوں کے فرق کو ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری بحث اسلام نے جو انتظام قائم کیا اُس کی رُو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جاسکتا تھا یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا۔ اور لوگ اگر ذرا بھی اس سے بچنے کا حیلہ پاجاتے تو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتے۔ چنانچہ ایک بار جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کردیئے گئے تو سینکڑوں آدمیوں نے اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کرلیا ؛

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہیں جس نوشیرواں عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹکس (جزیہ) سے بری رکھا تھا۔ لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جن کی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی ان کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا۔ وہ لوگ ایسی پُرخطر خدمت کے لئے کب راضی ہوسکتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لئے کوئی ٹکس ادا کریں۔ اسی ٹکس کا نام جزیہ تھا۔ جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کردیئے گئے جیسا کہ ہم آیندہ تاریخی شہادت سے ثابت کرینگے ؛

جزیہ کا معاوضہ حفاظت ہونا مسلمانوں میں علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اہل لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزا سے نکلا ہے جس کے معنی بدلے کے ہیں۔ اور چونکہ یہ ٹکس بھی ایک معاوضہ اور بدلا ہے لہذا اس مناسبت سے

حضرت [illegible] و خلفائے راشدین نے جو معاہدے [illegible] تاریخوں میں منقول ہیں اُن سے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ اُن لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا۔ خود رسول اللہ صلعم نے والی ایلہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اُس میں یہ الفاظ مندرج فرمائے یحفظوا و یمنعوا یعنی ان لوگونکی حفاظت کی جائے اور دشمن سے بچائے جائیں[1]۔

حضرت عمر رض نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں اور مسلمانوں کو اُنکی طرف سے اُن کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہیئے" اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں جن سے نہایت صاف اور مشرح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ایک ٹکس تھا۔ اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے یہی ٹکس ادا کرتے تھے۔

ھذا کتاب من خالد بن الولید لصلوبا ابن نسطونا و قومہ انی عاھدتکم علی الجزیۃ و المنعۃ فلک الذمۃ والمنعۃ ما منعناکم فلنا الجزیۃ و الا فلا کتب سنۃ ۱۲ ثنتی عشرۃ فی صفر[2]	خالد بن ولید کی تحریر ہے صلوبا ابن نسطونا اور اُس کی قوم کے لئے میں نے تم سے وعدہ کیا جزیہ اور محافظت پر۔ پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں سنہ بارہ صفر میں لکھا گیا۔

عمال اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندونکو جو عہد نامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے ان کے ملتقط الفاظ یہ ہیں۔

براءۃ لمن کان من کذا وکذا من الجزیۃ التی صالحھم علیھا الامیر خالد بن الولید وقد قبضت الذی صالحھم علیہ خالد والمسلمون لکم ید علی من بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزیۃ وکنتم امانکم امان و صلحکم صلح ونحن لکم علی الوفاء[3]	اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جن پر خالد بن ولید نے ان سے مصالحت کی ہے یہ برأت نامہ ہے خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر کی وہ ہم کو وصول ہوئی جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اُسکو تم لوگ مجبور کرسکتے ہو بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو تمہاری امان امان ہے اور تمہاری صلح صلح (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم صلح کرینگے اور جسکو تم امان دوگے ہم بھی

اس کے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی:۔

انا قد ادینا الجزیۃ التی عاھدنا علیھا	ہم نے وہ جزیہ ادا کر دیا جس پر خالد سے معاہد کیا

[1] دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۵۹ - ۱۲ [2] تاریخ کبیر ابو جعفر طبری مطبوعہ یورپ جز خامس صفحہ ۱۴۸ - ۱۲

جماعت اسلام اور انکے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں	... وغیرهم ...

ان تحریروں سے جو ہم نے اس موقعہ پر نقل کیں اور نیز اور تمام معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں بداہتہً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اسی اصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قائم کیا تھا۔ لیکن اس پر بھی اگر کسی کو شبہ رہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہو جائیگا:۔

ابو عبیدہ بن جراح نے شام میں جب متواتر فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار کی۔ مسلمانوں کو اس کے مقابلہ میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا اور ان کی تمام قوت و توجہ فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوئی اس وقت حضرت ابو عبیدہ امین افسر فوج نے اپنے تمام عمالوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے لکھ بھیجا کہ "جس قدر جزیہ و خراج جہاں جہاں سے وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس دیدو جن سے وصول ہوا تھا اور اُن سے کہدو کہ ہم نے جو کچھ تم سے لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کر سکیں۔ لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے"۔ ابو عبیدہ کے خاص الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے یہ ہیں انما رددنا علیکم اموالکم لانہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم۔ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپے بیت المال سے لیکر ان لوگوں کو پھیر دیئے گئے۔ جو رقم وصول ہوئی تھی۔ اس کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ روپیے جزیہ و خراج میں ملے تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تمکو ہمارے شہروں کی حکومت دے۔ رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے[ملہ]۔

ان سب باتوں سے زیادہ امر اس دعوے کے لئے دلیل بین ہے کہ اگر کسی قوم نے فوجی خدمت کی رضامندی ظاہر کی تو وہ اسی طرح جزیہ سے بری ہے جس طرح خود مسلمان۔ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں جب حبیب بن مسلمہ نے قوم جرجومہ[ملہ] پر فتح پائی تو اُن لوگوں نے فوجی خدمتوں میں بوقت ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا اور اس وجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے بری رہی نہ صرف جرجومہ بلکہ بہت سے انباط وغیرہ اور اُسکے متصل کی آبادیوں نے یہ امر اختیار کیا اور جزیہ سے خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانہ میں وہاں کے عامل نے غلطی سے ان لوگوں پر جزیہ لگایا تو اُنھوں نے خلیفہ کو اطلاع کی اور دربار خلافت سے ان کی برائت کا حکم صادر ہوا۔ معاہدات میں یہ تصریح کی کہ جزیہ کے عوض ہم تمہاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کر دینا۔ جو قومیں فوجی خدمت پر آمادہ ہوں ان کو جزیہ سے بری رکھنا کیا ان واقعات کے ثابت ہونیکے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد

ملہ تاریخ طبری صفحہ ۲۴۰۵ - ۱۲ ملہ پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابو یوسف مطبوعہ مصر کے صفحہ ۸۰ و ۸۱ و ۸۳ میں مذکور ہے ۱۲

وہی تھا جو ہم نے ...

سرحد کی حفاظت ۔ قلعوں کی تعمیروں سے بچا تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری ۔ سررشتہ تعلیم بے شبہ اس طرح ایک خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہونچتا تھا اور پہونچنا چاہیئے تھا مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے جانیں لڑاتے ۔ ملک کو تمام خطروں سے بچاتے پس جسطرح اُن کے جسم وجان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہونچتا تو کیا بیجا تھا ۔ اسکے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی اس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی ۔ حضرت فاروق رضؓ نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول میں إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِينِ (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں ،، [1]

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ تھی ۔ کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں تو اُس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا ۔ عام شرح چھ روپے اور تین روپے سالانہ تھی ۔ بیس برس سے کم پچاس برس سے زیادہ عمر والے مرد اور عورتیں ۔ مفلوج معطل العضو ۔ نابینا ۔ مجنون ۔ مفلس ۔ یعنی جس کے پاس دو سو درہم سے کم ہو یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے ۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی جس کے ادا کرنے سے فوجی پرخطر خدمت سے نجات مل جاتی تھی ۔ جس کی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے ؛

کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا ؛

اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضائع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہیئے ؛

جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے ان کو اسلام نے جس قدر حقوق دیئے کون حکومت اِس سے زیادہ دے سکتی ہے ۔ لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہ بحث کسی قدر دور پڑ جاتی ہے اس لئے اس موقع پر ہم یہ بحث چھیڑنی نہیں چاہتے ؛

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف ۱۲

شبلی نعمانی

تمت بالخیر

تاریخ اسپین

اس کی تعریف و اشتہار کی ضرورت نہیں کتاب کا سارا حال آپکو فہرست مضامین سے ظاہر ہو جائیگا -
قیمت مجلد (۸ر) رعایتی (عہ)

املائے امیران اسپین

نامورانِ عالم
یعنی
گروہ مشاہیر

جسمیں حسب ذیل سوانح عمریاں ہیں یعنی جلد سوم مشاہیر عالم -
محمود و ایاز - علی بیگ - فقیر دکن کا بادشاہ
عوج بن عنق - قوم چیلڈیا - ہرقل
ابو العتاہیہ - ابو صلت - امیہ بن عبد العزیز
ابن المعتز - حسان بن ثابت - افلاطون الٰہی
ہے نی بال - الپ ارسلان - میر علی شیر
چغتائی - مصنفہ مولوی عبد الحلیم صاحب شرر